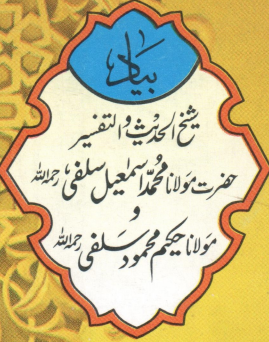


اِنَّ اَكْرَمَكُمْ سَرَعًا عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (القرآن)

سہ ماہی مجلہ

کتاب و سنت کا ترجمان علمی دعوتی و اصلاحی

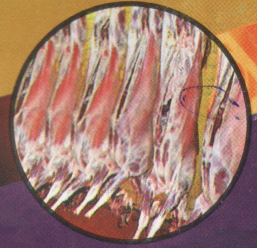
الملک حسین



نگران: حافظ اسعد محمود سلفی
مدیر: مجیب الرحمن سیاف

19

شوال، ذوالقعدہ، ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ
ستمبر، اکتوبر، نومبر 2013ء



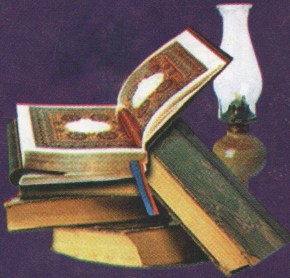
عید الاضحیٰ کے بعد قربانی کتنے دن تک درست ہے؟ 

قربانی کے آداب 

دعوت ابراہیم علیہ السلام 

پہلا وہ گھر خدا کا 

شام اور اہل شام کی فضیلت 



شعبہ نشر و اشاعت جامعہ اسلامیہ مدینہ
(مسجد منور) ماڈل ٹاؤن کوئٹہ

ناشر

درس قرآن

شیخ عبدالوہید ساجد (شیخ الحدیث جامعہ ہذا)

﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حُجَّةُ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾
آل عمران: (۹۶، ۹۷)

”بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ میں سے بہت با برکت اور جہانوں کے لیے ہدایت ہے۔ اس میں ظاہر نشانیاں ہیں۔ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ اور جو کوئی اس میں داخل ہوا امن والا ہو گیا اور اللہ کے لیے اس گھر کا حج کرنا لوگوں پر فرض ہے۔ جو اس کی طرف راہ چلنے کی طاقت رکھے اور جس نے کفر کیا تو بے شک اللہ تمام جہانوں سے بہت بے پروا ہے۔“

اسلام کے پانچ بنیادی ارکان ہیں۔ ان کی تین قسمیں ہیں: وہ ارکان جن کا تعلق صرف زبان سے ہے یعنی قولی عبادت۔ وہ ارکان جن کا تعلق قول اور بدن کے ساتھ ہے یعنی قولی اور بدنی عبادت: وہ ارکان جن کا تعلق قول، بدن اور مال کے ساتھ ہے یعنی بدنی اور مالی عبادت۔ مکہ شہادت قولی عبادت ہے۔ روزہ بدنی عبادت ہے۔ زکاۃ مالی عبادت ہے۔ نماز قولی اور بدنی عبادت ہے، جبکہ حج قولی بدنی اور مالی عبادت ہے۔ ہر مکلف شخص پر عمر بھر میں ایک بار فریضہ حج ادا کرنا فرض ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں رسول اللہ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا: ”اے لوگو! تم پر اللہ تعالیٰ نے حج فرض قرار دیا ہے، لہذا حج کیا کرو۔“ ایک شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہر سال؟ آپ خاموش رہے حتیٰ کہ اس نے تین مرتبہ یہی گزارش کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اگر میں ہاں کہہ دیتا تو یہ ہر سال ہی واجب ہو جاتا اور تمہیں اس کی استطاعت نہ ہوتی۔“ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو یہ ہدایت فرمائی: ”مجھے چھوڑ دیا کرو جب تک میں تمہیں چھوڑے رکھوں۔ تم سے پہلے لوگوں کو کثرت سوال اور اپنے انبیاء سے اختلاف ہی نے ہلاک کر دیا تھا اور جب میں تمہیں کسی شے کا حکم دوں تو جس قدر طاقت و بجا لایا کرو اور جب میں تمہیں کسی چیز سے منع کر دوں تو اسے چھوڑ دیا کرو۔“ صحیح مسلم: کتاب الحج

مذکورہ آیت مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ استطاعت کے باوجود حج نہ کرنا کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس جرم سے محفوظ فرمائے، آمین۔

درس حدیث

مولانا محمد مالک بھنڈر مدرس جامعہ ہذا

نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((كُتِبَ عَلَيْكُمُ السَّعْيُ فَاسْعَوْا))

”تم پر سعی فرض کر دی گئی ہے لہذا سعی کرو۔“ صحیح ابن خزیمہ: ۲۷۶۵

صفا مروہ کی سعی:

۱۔ صفا مروہ کی سعی حج و عمرہ کا رکن ہے۔ اسکے بغیر حج اور عمرہ نہیں ہوتا۔

۲۔ دراصل صفا مروہ دو پہاڑیوں کے نام ہیں جن کے درمیان دوڑ کر سات چکر لگائے جاتے ہیں۔ اس کا نام سعی ہے۔

۳۔ عمرہ کرنے والا سعی کے لیے باب الصفا سے صفا پہاڑی کی طرف جائے گا۔

۴۔ صفا پہاڑی کے قریب پہنچ کر ایک مرتبہ یہ کلمات پڑھے:

((إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ، أَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللَّهُ بِهِ))

”یعنی صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں اور میں بھی وہاں سے شروع کرتا ہوں جہاں سے اللہ نے شروع کیا۔“

۵۔ صفا پہاڑی پر چڑھ کر بیت اللہ کی طرف رخ کر کے تین مرتبہ ”اللہ اکبر“ کہے۔

۶۔ پھر تین مرتبہ یہ کلمات پڑھے:

((لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ أَنْجَزَ وَعَدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ))

”اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لیے

بادشاہت ہے اسی کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت

کے لائق نہیں وہ اکیلا ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اپنے بندے (محمد ﷺ) کی مدد فرمائی

اور اکیلے ہی سب لشکروں کو شکست دی۔“

اس دعا کو ایک مرتبہ پڑھ کر ہاتھ اٹھا کر قبلہ رو ہو کر دعا مانگیں، پھر اس دعا کو پڑھیں اور ہاتھ اٹھا کر دعا کریں، پھر اس دعا کو پڑھیں۔ یہ تین مرتبہ دعا ہوگئی، اور مروہ پر بھی یہی عمل دہرائیں۔ اس طرح یہ دعاسات چکروں میں ۲۱ مرتبہ ہو جائے گی۔

۷۔ صفا پر دعائیں اور اذکار کرنے کے بعد سعی کے لیے مروہ کی طرف روانہ ہو۔

۸۔ صفا اور مروہ کے سبز نشانات کے درمیان ہلکی ہلکی دوڑ لگائیں، مردوں کی طرح عورتیں بھی یہ عمل کریں۔ ۹۔ دوران سعی مسنون اذکار، دعائیں اور درود وغیرہ بھی پڑھا جاسکتا ہے۔

۱۰۔ مروہ پر پہنچ کر بھی اسی طرح کریں جیسے صفا پر کیا تھا۔

۱۱۔ صفا سے مروہ تک ایک چکر اور مروہ سے صفا تک دوسرا چکر، اسی طرح سات چکر پورے کر لیں۔

سعی کے متعلقہ مسائل:

۱۔ با وضو ہو کر سعی کرنا افضل ہے واجب نہیں۔ اگر دوران سعی وضو ٹوٹ جائے تو دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں۔

۲۔ طواف کے بعد اگر کسی وجہ سے سعی میں تاخیر ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

۳۔ سعی کے دوران اگر چکروں کی تعداد میں شک ہو جائے تو طواف کی طرح کم پر یقین رکھ کر باقی پورے کر لیں۔

۴۔ اگر کوئی شخص کسی شرعی عذر کی بنا پر سعی کرنے سے قاصر ہو تو کسی سواری پر سوار ہو کر سعی کر سکتا ہے۔

۵۔ دوران سعی اگر کوئی ایسی ضروری حاجت پیش آجائے جس کی وجہ سے سعی منقطع کرنی پڑے تو فارغ ہونے کے بعد دوبارہ وہیں سے سعی شروع کر لیں جہاں سے منقطع کی تھی اور سات چکروں کی گنتی پوری کر لیں۔

نوٹ: یاد رہے اب مسجد احرام کی توسیع کر کے صفا و مروہ کو بھی مسجد کا حصہ بنا لیا گیا ہے جس بنا پر حائضہ اور نفاس والی خواتین کے لیے طواف کے ساتھ ساتھ سعی بھی جائز نہیں۔

امام نافع مدنی رحمہ اللہ کے پہلے راوی امام قالون رحمہ اللہ

قاری عنایت اللہ ربانی کاشمیری

مدرس جامعہ ہذا

نام ونسب..... ابو موسیٰ عیسیٰ بن مینا قالون بن وردان بن عیسیٰ بن عبدالصمد بن عمر بن عبداللہ البرزقی المدنی (یا قوت رومی)

لقب: قالون لقب ان کے شیخ استاذ امام نافع رحمہ اللہ مدنی نے دیا۔ اس کا معنی رومن زبان میں جید، عمدہ، پسندیدہ چیز کو کہتے ہیں۔ (التیسیر ص ۴)

بعض نے جو کہا ہے یہ لقب ان کو امام مالک رحمہ اللہ نے دیا تھا، صحیح نہیں ہے۔ امام قالون امام نافع مدنی کے پروردہ اور محبوب ترین شاگرد تھے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ((انہ ربیب نافع)) ”وہ نافع کے ربیب تھے“ (معرفۃ القراء)

خود امام قالون رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب میں اپنے شیخ امام نافع مدنی کے سامنے قرأت کرتا تو وہ مجھے قالون کہتے تھے۔ (الاعلام: ۵/۱۱۰)

لیکن عبداللہ علی اور یا قوت رومی کا خیال ہے کہ رومی النسل ہونے کی بنا پر قالون کہتے ہیں۔ (معجم الادبار: ۶/۱۰۴)

ولادت وطن خاندان..... امام قالون مدنی ۱۲۰ ہجری ۷۳۷ء مدینہ میں بزمانہ ہشام بن عبدالملک پیدا ہوئے۔ (غایۃ النہایۃ: ۱/۶۱۵)

اسی نسبت سے آپ کو مدنی کہتے ہیں۔ جو کہ تمام نسبتوں سے اعلیٰ ہے مورخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ نے ان کے جد اعلیٰ عبداللہ کو دور فاروقی رحمہ اللہ میں اسیران روم میں سے بتایا ہے جس کو انصار کے ہاتھوں فروخت کیا گیا، قالون بھی انہیں کی اولاد اور انصار کے آزاد کردہ غلام

(مضمون چند قرآناہنامہ المعارف لاہور مارچ ۱۹۹۶ء)

تھے۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے بنی زہرہ کا آزاد کردہ غلام بتایا ہے ممکن ہے یہ انصار کے کسی قبیلہ کا نام ہو۔

تحصیل علم اور شیوخ..... بزمانہ منصور امام قالون رحمہ اللہ مدینہ منورہ میں امام نافع مدنی رحمہ اللہ سے قرآن کی تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔ ربیب ہونے کی وجہ سے فیض یابی کا موقع بھی زیادہ ملا۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”امام قالون امام نافع رحمہ اللہ سے مستقل پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ فن قرأت میں بڑی مہارت کے حامل ہو گئے۔ امام قالون رحمہ اللہ مسلسل پچاس سال یعنی تیس سال دوران تعلیم اور بیس سال حصول علم کے بعد امام نافع رحمہ اللہ کو قرآن پاک سناتے رہے۔ اور فن قرأت کے رموز و نکات سمجھتے رہے۔ قالون جب تلاوت کرتے تو امام نافع جھوم اٹھتے اور فرط مسرت سے قالون رحمہ اللہ اور ان کے فن کی تعریف کرتے۔“

درس و تدریس اور تلامذہ..... عثمان بن خرزاد کا بیان ہے کہ خود امام قالون نے مجھے کہا کہ جب میں امام نافع رحمہ اللہ سے کئی مرتبہ قرآن پڑھ چکا تو امام صاحب نے فرمایا: ”تم مجھ سے کب تک پڑھتے رہو گے، اب تم ایک جگہ پر بیٹھ جاؤ تا کہ میں تمہارے پاس طالب علموں کو بھیجوں۔“ چنانچہ میں تدریس میں مصروف ہو گیا اور بہت سے لوگوں نے علمی پیاس بجھائی (غایۃ النہایۃ: ۱/۶۱۵) اسی لیے علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے: ((و تبذل للقراء القرآن والعربیۃ))

امام قالون قرآن اور عربیت کی تعلیم میں یکسو ہو گئے۔ (معرفۃ القراء: ۱/۱۵۶)

چند نامور تلامذہ..... ۱۔ قاضی ابوالاسحاق بن اسحاق بن اسماعیل ۲۔ عبداللہ بن فلیح ۳۔ ابو جعفر محمد بن ہارون ۴۔ ابراہیم بن حسن کسائی ۵۔ ابراہیم بن محمد مدنی ۶۔ احمد بن صالح مصری ۷۔ حسن بن علی الشحام ۸۔ حسن بن عبداللہ المعلم ۹۔ عبداللہ بن عیسیٰ مدنی ۱۰۔ عثمان بن خرزاد ۱۱۔ امام قالون کے بیٹے ابراہیم اور محمد

سلسلہ قرأت..... امام قالون مدنی رحمہ اللہ نے امام نافع مدنی رحمہ اللہ سے قرآن پڑھا انہوں نے امام

ابو جعفر یزید بن القعقاع مدنی سے پڑھا، انہوں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پڑھا، انہوں نے حضرت نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے سنا۔ اور اس طرح امام صاحب کی قرأت چار واسطوں سے آپ ﷺ تک پہنچتی ہے۔

امامت و مرجعیت امام قالون رحمہ اللہ نہ صرف فن قرأت کے ماہر مشاق تھے بلکہ نحو و عربیت میں بھی ممتاز تھے۔ مدینہ طیبہ کے کبار علماء، قراء، نحاة میں ان کا شمار کیا جاتا ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ نے ان کو معلم العربیہ بھی لکھا ہے۔ (تیسیر ص ۴)

اپنے استاد امام نافع مدنی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد مدینہ کی مسند قرأت پر بحیثیت امام القراء جلوہ افروز ہوئے اور ستر سال تک خدمات سرانجام دیں۔ شیخ القراء اور امام القراء جیسے القابات سے نوازے گئے۔ قاری ابوالحسن اعظمی لکھتے ہیں: امام نافع کے بعد آپ ہی پر اہل مدینہ کا اجماع ہوا۔ آپ ہی وہاں کے امام القراء منتخب ہوئے۔ (علم قرأت اور قراء سبعہ ص ۷۵)

علامہ ذہبی لکھتے کہ: قرأت میں امامت مسلم ہے۔ اور علم حدیث میں فی الجملہ ان کی حدیثیں لکھی گئی مزید فرمایا امام قالون فن قرأت میں جہت تھے۔ (میزان الاعتدال)

خیر الدین زرکلی لکھتے ہیں کہ ان کے زمانہ میں حجاز میں عربی علوم اور علم قرأت کی صدر نشینی ان پر ختم تھی۔ (الاعلام: ۱۱۰/۵)

ابن ابی حاتم کا بیان ہے: قالون کے سامنے قرآن پڑھا جاتا تو پڑھنے والے کے ہونٹوں کی حرکت سے معلوم کر لیتے تھے کہ قاری سے غلطی کا ارتکاب کہاں ہوا ہے پھر اس کی اصلاح فرمادیتے حالانکہ وہ گراں گوش تھے۔ (لسان المیزان: ۴/۳۰۸)

کرامت: امام قالون رحمہ اللہ اس حد تک گراں گوش (کانوں کی سماعت سے محروم) تھے کہ اگر ان کے کان کے پاس بجلی بھی کرکٹتی تو ان کو احساس تک نہ ہوتا۔ لیکن یہ بڑی عجیب بات تھی کہ وہ قرآن پاک بالکل صاف اور اچھی طرح سن سکتے تھے۔ ابو محمد بغدادی کہتے ہیں کہ باجے کی آواز تو نہیں سن سکتے تھے لیکن قرأت کی آواز بہت سن سکتے تھے۔ اور اگر کوئی شخص قرأت میں غلطی کر رہا ہوتا تو فوراً ٹوک

دیتے تھے۔ (غایۃ النہایۃ: ۱/ ۶۱۶)

علم حدیث سے آگاہی..... آپ کو حدیث مبارکہ سے بڑا شغف تھا اس علم ذیشان کی تحصیل اپنے اساتذہ کرام الشیخ امام نافع مدنی، الشیخ محمد بن جعفر بن ابی کثیر اور شیخ عبدالرحمن بن ابوالزناد رحمہم اللہ وغیرہ سے کی۔

حدیث میں امام قالون کے تلامذہ..... امام قالون سے محمد بن اسماعیل بخاری، قاضی اسماعیل، موسیٰ بن اسحاق انصاری، ابوذر عہ رازی، محمد بن عبدالحکیم القطری اور عثمان بن خرزاد ذوالاناٹا کی رحمہم اللہ نے حدیث کا سماع کیا۔ (میزان الاعتدال: ۲/ ۳۱۹)

شہرت و مقبولیت عامہ..... امام قالون رحمہم اللہ اپنی علمی جلالت کی وجہ سے بڑی شہرت و مقبولیت پائی۔ علامہ ذہبی رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ قالون کی عمر اور شہرت دونوں بہت دراز ہوئیں۔ خیر الدین زرکلی لکھتے ہیں: ”امام قالون مدینہ کے مشہور قراء میں سے تھے۔“

وفات: امام قالون رحمہم اللہ نے ساری زندگی خدمت قرآن اور قرأت میں بسر کی سو سال کی عمر میں ۲۲۰ ہجری مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ اور بقیع الغرقہ میں مدفون ہوئے۔ ان کی وفات کے متعلق ۱۹۷ ہجری اور ۲۰۵ ہجری کے بھی اقوال ملتے ہیں۔ علامہ ذہبی رحمہم اللہ نے انہیں درست قرار نہیں دیا۔ (معرفۃ القراء: ۱/ ۱۵۵)

اولاد: آپ کے دو صاحبزادوں کا ذکر ملتا ہے اور وہ دونوں آپ کے شاگرد تھے اور بہت اچھے قاری قرآن تھے۔ (حاشیۃ الاستكمال: ص ۱۰۰)

زندگی

زندگی ایک علم ہے اسے حاصل کرو۔ زندگی ایک چیلنج ہے اس کو قبول کرو۔
زندگی ایک مشن ہے اسے پورا کرو۔ زندگی ایک مقصد ہے اسے حاصل کرو۔

انتخاب: (اسد اللہ ظہیر)

دعوتِ ابراہیم علیہ السلام

میاں جمیل ایم اے لاہور

﴿وَابْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾

”اور ابراہیم نے جب اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اگر تم حقیقت سمجھتے ہو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔“
(العنکبوت: ۱۶)

اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے انہیں یہی حکم صادر فرمایا کہ وہ لوگوں کو ”اللہ“ کی عبادت پر لگائیں۔
(الانبیاء: ۲۵)

کیونکہ یہی ہر انسان کی تخلیق کا مقصد ہے۔
(الذاریات: ۵۶)

اور مسلمان کا ہر عمل اسی کے لیے ہونا چاہیے، اسی بنا پر تمام انبیاء نے اپنی دعوت کا آغاز ان الفاظ سے کیا کہ لوگو ایک اللہ کی عبادت کرو اور اس کی نافرمانی سے بچو اسی سے جناب ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعوت کا آغاز فرمایا۔

اکثر اہل علم نے عبادت کا معنی تذلل یعنی نہایت عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پرستش کرنا بیان کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عبادت میں عاجزی اور انتہا درجے کی انکساری ضروری ہے کہ آدمی اللہ کے حضور قیام کرے تو نا صرف زبان سے اقرار کرے بلکہ اس کا پورا وجود گواہی دے کہ تیرے حضور عاجز اور بے بس ہوں، جہیز نیاز جھکائے تو اپنے آپ کو بجز وانکساری کی انتہا تک لے جائے گویا کہ وہ پستی کے سمندر میں ڈوب چکا ہے، زبان جنبش کرے تو اس کی حمد و ثنا کے گیت گائے، دست سوال دراز کرے تو سراپا التجا بن جائے، مال خرچ کرے تو اس عاجزی کے ساتھ کہ میں مالک کی ملک ہی واپس کر رہا ہوں نہ میرا مال ہے اور نہ میرا کمال ہے۔ اس عہد کو نمازی پانچ وقت تشہد کی زبان میں دہراتا ہے۔

((الَّتَحْيَاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ))

”تمام قوی، فعلی اور مالی عبادات اللہ کے لیے ہیں۔“ (بخاری: باب التَّشَهُُّدِ فِي الْآخِرَةِ)

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ﴾

”کہہ دیجیے! یقیناً میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لیے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے تابعدار

ہونے والا ہوں۔“ (الانعام: ۱۶۲، ۱۶۳)

قرآن مجید نے عبادت کا وسیع ترخیل پیش کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی منڈی اور بازار میں ہو تو امانت و دیانت کا نمونہ بن جائے، کسی کے ہاں مزدور اور خدمت گزار ہو تو وفاداری کا پیکر ہو جائے، حکمران ہو یا کوئی ذمہ داری اٹھائے تو قوم کا خادم اور مالک حقیقی کا غلام بن کر رہے غرض کہ زندگی کا ایک ایک لمحہ اور شعبہ رب کی غلامی اور اطاعت کے لیے وقف کر دینا عبادت کا مقصد ہے۔ جس کے لیے نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج مقرر کیے گئے ہیں تاکہ مسلمان ان سے تربیت پائے اور ایک طرف اپنے رب کی بندگی کرے اور دوسری طرف اس کی مخلوق کی خدمت میں لگا رہے۔ یہی انسان کی تخلیق کا مقصد ہے۔

عبادت کا معنی ہے..... (۱) غلام ہونا۔ (۲) بندگی (اطاعت) کرنا۔ (۳) حکم ماننا۔ عبادت بمعنی غلامی۔

﴿ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَٰئِهِ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا عَالِينَ ، فَقَالُوا أَأَنْتُمْ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُونَ﴾

”پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنے دلائل اور معجزات دے کے فرعون اور اس کے ساتھیوں کے پاس بھیجا مگر انہوں نے تکبر کیا کیونکہ وہ سرکش لوگ تھے کہنے لگے کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں کی پیروی کریں جب کہ ان کی قوم ہماری

عابد (غلام) ہے۔“ (المؤمنون: ۴۵ تا ۴۷)

موسیٰ علیہ السلام نے جواباً ارشاد فرمایا کہ کیا جو تو نے مجھ پر نیکی کی ہے اس کا یہ معنی ہے کہ تو میری قوم کو غلام بنا لے۔

﴿وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَىٰ أَنْ عَبَّدَتْ بَنِي إِسْرَائِيلَ﴾

”کیا میری ذات پر احسان کا مطلب یہ ہے کہ تو میری پوری قوم بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھے۔“ (الشعراء: ۲۲)

یہاں دونوں مقامات پر عبادت بمعنی غلامی استعمال کیا گیا ہے۔

عبادت بمعنی اطاعت..... عبادت کا دوسرا معنی یہ ہے کہ کسی کے مقام اور احترام کی وجہ سے اس کی پیروی کرنا اور اسے شریعت کے بارے میں باختیار سمجھنا۔

﴿اتَّخِذُوا أَحْبَابَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا﴾

”انہوں نے علما اور پیروں فقیروں کو اللہ کی بجائے اپنا رب بنا لیا اور اسی طرح عیسائیوں نے عیسیٰ کو رب بنا لیا حالانکہ انہیں ایک الہ کے علاوہ کسی کی عبادت کا حکم نہیں دیا گیا۔“ (التوبہ: ۳۱)

عبادت بمعنی عبادت

﴿وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ﴾

”اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور وہ کہتے ہیں ہم ان کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔“ (یونس: ۱۸)

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ﴾

”جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا ولی بنا رکھا ہے وہ کہتے ہیں ہم ان کی عبادت اس

لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیتے ہیں۔“ (الزمر: ۳)

قیامت کے دن ان لوگوں کو شیطان کی عبادت کرنے والوں میں شریک کر کے ان الفاظ سے مخاطب کیا جائے گا۔

﴿أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ﴾

”اے آدم کی اولاد کیا میں نے تم کو تاکید نہیں کی تھی کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔“ (یس: ۶۰)

میدان تبلیغ کا بنیادی اصول

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاطٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ (تحريم: ۶)

”اے ایمان والو اپنے آپ اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے، جس پر نہایت تند خو اور سخت گیر فرشتے مقرر کیے گئے ہیں وہ کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم انہیں دیا جاتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔“

﴿وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَهُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ﴾

”اور یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے نازل کی بڑی برکت والی ہے اس کی تصدیق کرنے والی جو اس سے پہلے ہے اور تاکہ آپ بستیوں کے مرکز اور اس کے ارد گرد کے لوگوں کو ڈرائیں اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔“ (الانعام: ۹۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ سے مخاطب ہوتے ہیں:

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا، إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا، يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا، يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيًّا، يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِنَ الرَّحْمَنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا، قَالَ أَرَأَيْتَ أَنْتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمَ لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا، قَالَ سَلِمَ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا، وَاعْتَزِلْكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَادْعُوا رَبِّي عَسَىٰ أَلَّا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَفِيًّا، فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا، وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِنْ رَحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا﴾

”اے نبی! اس کتاب میں ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان کریں۔ بے شک وہ راست باز انسان اور نبی تھے جب کہ اس نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا جان آپ کیوں ان چیزوں کی عبادت کرنے ہیں جو نہ سنتی ہیں اور نہ دیکھ سکتی ہیں اور نہ ہی آپ کے کام آسکتی ہیں ابا جان میرے پاس ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا۔ آپ میری بات مانیں (اتباع کریں) میں آپ کو ٹھیک راہ بتاؤں گا اے ابا جان آپ شیطان کی بندگی نہ کریں۔ شیطان تو رب کا نافرمان ہے اے ابا جان مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ رحمان کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں اور شیطان کے ساتھی نہ بن جائیں۔ اس نے کہا اے ابراہیم علیہ السلام کیا تو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے؟ اگر تو ایسی تبلیغ سے باز نہ آیا تو میں تجھے پتھر مار مار کر جان سے مار دوں گا۔ پس تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے دور ہو جاؤ۔ ابراہیم نے کہا آپ کو سلام ہو میں اپنے رب سے دعا کروں گا کہ آپ کو بخش دے۔ میرا رب مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔ میں آپ لوگوں کو چھوڑتا ہوں اور ان کو بھی جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو۔ میں اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں۔ امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر محروم نہیں ہوں گا۔ جب ابراہیم ان سے اور ان کے معبودانِ باطل سے الگ ہو گئے تو ہم نے اسے اسحاق اور یعقوب جیسی اولاد سے نوازا۔ اور ہر ایک کو نبی

(میرم: ۴)

بنایا۔ ان کو اپنی رحمت سے نوازا اور ان کو نیک نامی عطا فرمائی۔“

پہلے مرحلے میں صرف اپنے والد گرامی کو مخاطب کیا، اس کے بعد اپنے باپ کے ساتھ قوم کو بھی متوجہ فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ اور قوم کو مشترکہ خطاب

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تحریک قدم بہ قدم آخری مرحلے میں داخل ہو رہی ہے آپ نے فرمایا کہ اے میری قوم ایک اللہ سے ڈرو اسی ایک کی عبادت اور اطاعت میں زندگی کھاؤ، جس میں یہ اوصاف پائے جاتے ہیں۔

﴿وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ، إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾

”اور جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے خطاب فرمایا کہ اللہ سے ڈرو! اور اسی ایک کی عبادت کرو اگر تم اس حقیقت کو جان جاؤ تو یہی تمہارے لئے بہتر ہے، تم اللہ کو چھوڑ کر جن کو پوج رہے ہو، وہ تو صرف بت ہیں اور یہ تم جھوٹ بنائے ہوئے ہو۔ جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ تمہیں رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے، اس لیے اللہ ہی سے رزق مانگو، اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکریہ ادا کرتے رہو، اسی کی طرف تم نے پلٹ کر جانا ہے۔“

(العنکبوت: ۱۶، ۱۷)

﴿إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ، قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَابِدِينَ، قَالَ لَقَدْ كُنتُمْ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ، قَالُوا أَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ أَمْ أَنْتَ مِنَ اللَّاعِبِينَ، قَالَ بَلْ رَبُّكُمْ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الَّذِي فَطَرَهُنَّ وَأَنَا عَلَىٰ ذَلِكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ﴾

”جب ابراہیم نے اپنے باپ اور قوم کو فرمایا کہ یہ مجسمے کیسے ہیں جن کے سامنے تم جھکے جا رہے ہو

انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے اسی طرح اپنے آباؤ اجداد کو انکی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے۔
فرمایا تم بھی بھٹک چکے ہو اور تمہارے باپ دادا بھی بھٹک گئے تھے۔ کہنے لگے کیا تو سچ کہہ رہا ہے
؟ یا ہمارے ساتھ شغل کرتا ہے۔ فرمایا! واقعاً تمہارا رب وہی ہے جو زمین و آسمان کا رب ہے جس
نے سب کو پیدا کیا ہے۔ میں تمہارے سامنے اس کی گواہی دیتا ہوں۔ (الانبیاء: ۵۲ تا ۵۶)

﴿وَأَنذِلْ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ، إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ﴾

”اور انہیں ابراہیم کا واقعہ سنائیں جب انہوں نے اپنے باپ اور قوم سے پوچھا کہ جن کو تم
پوجتے ہو ان کی کیا حقیقت ہے؟“ (الشعراء: ۶۹، ۷۰)

﴿قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ﴾

”قوم نے جواب دیا ہم بتوں (پتھر، اینٹ، بکڑی کے بنے ہوؤں) کی عبادت کرتے ہیں پھر
انہی کے سامنے ہم اعتکاف (مراقبہ) کرتے ہیں۔“ (الشعراء: ۷۱)

قوم سے سوال:

﴿قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ، أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يُضِرُّونَ﴾

”فرمایا کیا یہ تمہاری بات سنتے ہیں جب انکو پکارتے ہو یا تم کو نفع اور نقصان پہنچاتے ہیں۔“

(الشعراء: ۷۲، ۷۳)

﴿قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَلِكَ يَفْعَلُونَ﴾

”انہوں نے کہا ہم نے اپنے باپ دادا کو یہی کرتے ہوئے پایا ہے۔“ (الشعراء: ۷۴)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خطاب:

﴿قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ أَنتُمْ وَآبَاؤُكُمْ الْأَقْدَمُونَ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي إِلَّا

رَبَّ الْعَالَمِينَ، الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ، وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ،

وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ، وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ، وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ

لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ﴾

”کیا تم نے کبھی غور کیا کہ جن کی عبادت کرتے ہو۔ تم بھی اور تمہارے بزرگ میرے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے اس ایک اللہ نے مجھے پیدا فرمایا اور پھر ہدایت بخشی، وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے، وہی مجھے موت دے گا اور وہی مجھے دوبارہ زندہ کرے گا اسی سے میں امید کرتا ہوں کہ وہ قیامت کے دن میری خطاؤں کو معاف فرمائے گا۔“
(الشعراء: ۸۱ تا ۷۵)

موحد کا مَوَدب ہونا لازم ہے

ایک مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ شریعت کے مطابق اپنے سے بڑے کا ادب کرے خاص طور پر سرورِ دو عالم ﷺ اور ذاتِ باری تعالیٰ کا سب سے زیادہ ادب کرنا ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ لیکن مسلمانوں کی اکثریت کا عالم یہ ہے کہ وہ بزرگوں کا ادب نبی ﷺ سے اور نبی ﷺ کا ادب ربِ کریم سے زیادہ کرتے ہیں اسی طرح کچھ موحدین کے بارے میں شکایت ہے کہ وہ غیرتِ توحید میں آکر بزرگوں کے بارے میں ادب کا دامن چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ دین کی تعلیم یہ ہے کہ غلو سے بچ کر اور حفظِ مراتب کا خیال رکھتے ہوئے ہر شخص کا احترام کیا جائے بالخصوص نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور اہل بیت کا ادب کرنا ہمارے ایمان کا حصہ اور سب سے بڑھ کر خالق کائنات کا ادب کرنا فرض ہے۔

﴿مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا﴾

”تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کے وقار کا خیال نہیں رکھتے؟“ (نوح: ۱۳)

غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی گفتگو میں کس قدر ادب پایا جاتا ہے۔ حضرت خلیل علیہ السلام نے بیماری کی نسبت اپنی طرف اور صحت کی نسبت اپنے رب کی طرف کرتے ہیں حالانکہ بیماری اور تندرستی ”اللہ“ کے ہی اختیار میں ہے یہی ادب اہل ایمان کو سورۃ فاتحہ میں سکھایا گیا ہے انعام اور ہدایت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور ضلالت و گمراہی بندے کی طرف منسوب کی گئی ہے۔

﴿إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ

الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ﴿

”ہمیں سیدھا راستہ دکھان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا جو نہ مغضوب ہوئے اور جو

نہ گمراہ ہوئے۔“ (الفاتحہ: ۶، ۷)

سورۃ جن میں مومن جن اپنی گفتگو میں اسی ادب کو ملحوظ رکھتے ہیں۔

﴿وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرُّ أَرِيدَ بِمَنْ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا، وَأَنَّا

مِنَّا الصَّالِحُونَ وَمِنَّا دُونَ ذَلِكَ كُنَّا طَرَائِقَ قَدَدًا﴾

”یہ کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ زمین والوں کے ساتھ کوئی برا معاملہ کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے یا

ان کے رب نے بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے۔ ہم سے کچھ جنات نیک ہیں اور دوسرے بُرے ہیں

اور ہم مختلف طریقوں میں بنے ہوئے ہیں۔“ (الجن: ۱۰، ۱۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام جلال میں آتے ہیں

طویل عرصہ تک سمجھانے کے باوجود جب قوم سمجھنے کے لئے تیار نہ ہوئی تو ابراہیم علیہ السلام نے سوچا کہ اگر

دلائل انکی سمجھ میں نہیں آ رہے اور یہ اپنی ہٹ دھرمی پر ڈٹے ہوئے ہیں اور مورتیوں پر مرے جارہے ہیں

، طبیعت میں غیرت آئی کہ اب ان کے معبودان کی عملی طور پر خبر لینی چاہئے، تب ڈکنے کی چوٹ فرمایا کہ

اللہ کی قسم! اب یہ مجھے میرے لئے ناقابل برداشت ہو گئے ہیں۔

﴿وَتَاللَّهِ لَأَكِيدَنَّ أَصْنَامَكُمْ بَعْدَ أَنْ تُوَلُّوا مُدْبِرِينَ﴾

”اور اللہ کی قسم میں تمہاری غیر موجودگی میں تمہارے بتوں کی ضرور خبر لوں گا۔“ (الانبیاء: ۵۷)

حضرت ابراہیم علیہ السلام بار بار اپنی قوم کو ہوش میں لانے کی کوشش کرتے ہیں شاید انکی مردہ بصیرت میں کچھ

زندگی پیدا ہو جائے اور ان کے غور و فکر کے درپے کھل جائیں لیکن وہ ہیں کہ ضدِ پیہ ضد کیے جارہے ہیں

، اتفاق کی بات دیکھیے اسی کشمکش میں قوم کا قومی تہوار آتا ہے۔ مشرک قوم ایسے میلوں میں نہ صرف خود

جاتی ہے بلکہ ہر کسی کو ایسی خرافات میں دیکھنا پسند کرتی ہے اسی شوقِ غلیظ کی بنا پر انہوں نے جناب

ابراہیم علیہ السلام کو دعوت دی۔ آئیں آپ بھی قومی میلے میں چلیں، لیکن انہیں کیا خبر کہ ابراہیم علیہ السلام ایسی

خرافات کو مٹانے کے لیے دن رات پیچ و تاب کھا رہے ہیں ارشاد فرمایا:

﴿فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ، فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ﴾

”تاروں کی طرف دیکھا اور کہا میں بیمار ہوں۔“ (الصفت: ۸۸، ۸۹)

اس جملے کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں ہو سکتا ہے کہ وہ کچھ بیمار ہوں یا اس لیے ستاروں کی طرف دیکھا ہو کہ اے مالک! اب میرے اعلان پر عمل کرنے کا وقت آ گیا ہے تو میری مدد فرمایا پھر اس حیرانگی سے دیکھا ہو جس طرح بعض موقعوں پر آدمی حیران ہو کر آسمان کی طرف دیکھتا ہے کہ عجب لوگ ہیں میرے عقیدے کو جاننے کے باوجود مجھے میلہ کی دعوت دے رہے ہیں۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کیونکہ آپ کی قوم ستاروں سے شگون لیتی تھی اس لئے آپ نے اوپر دیکھ کر فرمایا کہ میں بیمار ہوں تاکہ یہ لوگ اصرار نہ کریں اور اپنے عقیدہ کے مطابق تاثر لے کر بغیر تکرار کیے چلے جائیں (واللہ اعلم)

﴿فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ﴾ ”چنانچہ وہ انہیں پیچھے چھوڑ گئے۔“ (الصفت: ۹۰)

دن گئے جاتے تھے جس دن کے لئے اب وہ وقت آیا کہ جو کہا تھا کر دکھایا جائے چنانچہ مندر میں گھس گئے اور غیرت و جلال میں آ کر فرمانے لگے۔

﴿فَرَاغَ إِلَى إِلَهِهِمْ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ مَا تَلْكُمُ لَا تَنْطُقُونَ﴾ (الصافات: ۹۱، ۹۲)

”تو ابراہیم ان کے معبودوں میں جا گھسے اور کہا تم کھاتے کیوں نہیں؟ تم بولتے کیوں نہیں؟

اللہ اللہ آپ کی غیرت و جلالت کا عجیب منظر ہو گا حالانکہ معلوم تھا بلکہ خود ہی تو اعلان کیا کرتے تھے کہ یہ نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ ہی بول سکتے ہیں لیکن آج خود ہی بلائے جارہے ہیں۔ کبھی مومن پر ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہ غیرتِ توحید سے لبریز ہو کر دوسروں کو درسِ توحید دینے کے لئے ایسا بھی کرتا ہے، جیسا کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے طوافِ کعبہ کے وقت حجرِ اسود کو مخاطب کیا تھا کہ ”میں تیری حقیقت کو جانتا ہوں تو ایک پتھر کا ٹکڑا ہے، میں تجھے اس لئے چوم رہا ہوں کہ میں نے نبی ﷺ کو تجھے چومتے ہوئے دیکھا تھا۔

﴿فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ﴾

”ابراہیم علیہ السلام نے ان کو دائیں ہاتھ سے پھوڑنا شروع کیا۔“ (الصفت: ۹۳)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے غیرت اور جلال کے جذبات کے باوجود ذہانت کا ایسا مظاہرہ فرمایا جس

سے عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

﴿فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا إِلَّا كَبِيرًا لَهُمْ لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ﴾

”پھر بتوں کو توڑ پھوڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا مگر بڑے کو چھوڑ دیا تاکہ وہ اسکی طرف رجوع

کریں۔“

(الانبیاء: ۵۸)

یاد رہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنے دور کے تمام لوگوں سے ذہین اور سب سے بڑھ کر دانشور تھے یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی دعوت اس انداز میں پیش کرتے کہ ان کا بڑے سے بڑا مخالف بھی ان کی دلیل کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا تھا اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو بالخصوص یہ ملکہ عطا فرمایا تھا کہ ان کی گفتگو کے سامنے بڑے سے بڑا آدمی خاموش ہو جاتا تھا۔ تھے۔ دیکھیے ابراہیم علیہ السلام کتنے زیرک اور فطین ہیں کہ سب بتوں کو توڑ دیا مگر بڑے کو چھوڑ دیا تاکہ قوم واپس آ کر دیکھے تو اس حادثے پر غور و فکر کرتے ہوئے یقیناً اس کی طرف رجوع کرے گی۔

اگر الیہ کی ضمیر (اشارہ) بڑے بت کی طرف ہو تو شاید یہ سوچیں کہ بڑے میاں نے کسی بات پر ناراض ہو کر چھوٹوں کا تیا پانچہ کر دیا ہے یا کم از کم یہ تو ان کے دلوں میں خیال آئے کہ واقعی وہ جوان (ابراہیم) سچ کہتا تھا کہ یہ سب بے کار ہیں اور کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں اگر الیہ کا اشارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف ہو تو معنی بالکل صاف ہے کہ جب میرے پاس آئیں گے تو مجھے بات کرنے کا مزید موقع ملے گا اور میں کہوں گا کہ مجھ سے پوچھنے کی بجائے اپنے عقیدے کے مطابق اس سے پوچھو اگر واقعی یہ بولتے ہیں تو انکا بڑا موجود ہے۔ وہ جواب دے۔

﴿قَالُوا مَنْ فَعَلَ هَذَا بِإِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ لَمِنَ الظَّالِمِينَ قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ﴾

”کہنے لگے ہمارے خداؤں کا یہ حال کس نے کر دیا؟ وہ بڑا ہی ظالم ہے کچھ کہنے لگے ہم نے

ان کے خلاف ابراہیم نامی نو جوان کو چیلنج کرتے سنا ہے۔“ (الانبیاء: ۵۹، ۶۰)

قوم جب واپس پلٹی تو ان کی خوشی اور شادمانی، غم اور پریشانی میں تبدیل ہو گئی زبردست اضطراب اور

شدید ہنگامہ برپا ہوا ہنگامی حالات کا اعلان ہوا اجلاس پہ اجلاس بلائے جارہے ہیں سیاسی اور مذہبی راہنما سر جوڑ کر بیٹھے ہیں تاکہ عوام کو اپنی کارکردگی دکھا کر فوری طور پر مطمئن کیا جائے، دفعتاً فیصلہ سنایا جاتا ہے۔

﴿قَالُوا فَاتُّوا بِهِ عَلَىٰ أَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُونَ﴾

”انہوں نے کہا کہ اس کو لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ وہ گواہ ہوں۔“ (الانبیاء: ۶۱)

﴿فَاقْبَلُوا إِلَيْهِ يَزْفُونَ﴾

”وہ ابراہیم علیہ السلام کی طرف دوڑتے ہوئے آئے۔“ (الصفت: ۹۴)

یہ تو اللہ ہی کو معلوم ہے کہ لوگ کس غیظ و غضب کے ساتھ کس طرح آپ ﷺ کو پکڑ کر لائے ہوں گے،

کتنے آوازے کسے ہوں گے اور کتنی گستاخیاں کی ہوں گی؟ لیکن ابراہیم ہجوم مشرکین کو زمین کے ذرات سے بھی حقیر تصور فرماتے ہوئے ایسی جرأت اور مردانگی سے جواب دیتے ہیں کہ ان کی لمبی زبانیں اس طرح گنگ ہو گئیں، جیسے ان کو سانپ سو گٹھ گیا ہو۔ ان میں نام نہاد دانش ور بھی ہیں اور ان پڑھ بھی گویا کہ ہر قسم کے لوگ موجود ہیں لیکن کوئی بولنے کی جرأت نہیں کر پاتا کیوں بولیں اور کس بنیاد پر بات کریں۔

﴿وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ﴾

”جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی پکارتے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ان کا حساب رب کے ذمہ ہے یقیناً جانو کہ کافر کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔“ (المؤمنون: ۱۱۷)

جرگہ ابراہیم علیہ السلام سے سوال کرتا ہے

ابراہیم علیہ السلام کو جرگے کے سامنے پیش کیا گیا تو سردارانِ شرک و بدعت لال پیلے ہو کر بڑے طمطراق اور دبدبہ کے ساتھ پوچھتے ہیں۔

﴿قَالُوا أَأَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا بِإِلهَتِنَا يَا إِبْرَاهِيمُ﴾

”اے ابراہیم کیا تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی۔“ (الانبیاء: ۶۲)

جواب:

﴿قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا فَاسْأَلُوهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطُقُونَ﴾

”فرمانے لگے بلکہ ان کے بڑے نے یہ کاروائی کی ہوگی اگر یہ بات کر سکتے ہیں تو ان سے

پوچھ لو۔“ (الانبیاء: ۶۳)

خاموشی ہی خاموشی ہے اور ہو کا عالم۔ اکثری ہوئی گردنیں جھک گئیں اور وہ اپنے گریبانوں میں جھانکنے لگے۔

﴿فَرَجَعُوا إِلَىٰ أَنفُسِهِمْ فَقَالُوا إِنَّكُمْ أَنْتُمُ الظَّالِمُونَ ، ثُمَّ نَكَسُوا عَلَىٰ رُءُوسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا هَؤُلَاءِ يَنْطُقُونَ﴾

”یہ سن کر وہ لوگ اپنے ضمیر کی طرف پلٹے اور اپنے دل میں کہنے لگے واقعی ہی تم خود ظالم ہو

۔ گردنیں جھکا کر کہنے لگے تو جانتا ہے کہ یہ تو بات نہیں کر سکتے۔“ (الانبیاء: ۶۴، ۶۵)

﴿قَالَ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ، أَفْ لَكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَقَلَّا تَعْقِلُونَ﴾

”ابراہیم نے فرمایا اللہ کو چھوڑ کر تم ان کو پکارتے ہو تمہیں نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے افسوس تم

پر اور تمہارے معبودوں پر جن کی اللہ کو چھوڑ کر تم عبادت کرتے ہو کیا تم عقل سے کام لینے

کے لئے تیار نہیں؟“ (الانبیاء: ۶۶، ۶۷)

حکومت حرکت میں آتی ہے..... ابھی خاص و عام کے ساتھ کشمکش جاری تھی کہ حاکم وقت نمرود

کے پاس مکمل رپورٹ پہنچی اور وہ اپنے آپ سے باہر ہو گیا۔ کیونکہ اسے یہ فکر لاحق ہوئی کہ ابراہیم علیہ السلام

بتوں کی خدائی کا انکار کرتا ہے تو میری خدائی کو کب تسلیم کرتا ہوگا چنانچہ اس نے فوراً حکم صادر کیا کہ ابراہیم

جہاں کہیں ہو، فی الفور اسے میرے دربار عالیہ میں پیش کیا جائے۔ باپ، رشتہ دار، پوری قوم یہ چاہتی تھی کہ

توحید کی تحریک دب جائے اور اس کے داعی کو عبرت ناک سزا سے دوچار کیا جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام

حاکم وقت کے سامنے جاتے ہیں حاکم وقت نے حاکمانہ لب و لہجے میں پوچھا اے ابراہیم! ہمارے ہوتے

ہوئے تم کسی اور کو رب مانتے ہو؟

ابراہیم علیہ السلام پورے اعتماد کے ساتھ فرمانے لگے! میں زمین و آسمان میں صرف اور صرف ایک ذات کبریا کو الہ مانتا ہوں اس کے بغیر سب مجبور و محکوم ہیں۔ تو بھی اسی طرح کا ایک انسان ہے جس طرح ہم انسان ہیں نمرود چونک اٹھا، کرسی پر اکڑتے ہوئے گردن اٹھا کر بولا ہاں ہاں تو میرے بغیر بھی کسی کو خدا مانتا ہے فوراً اپنے رب کے اوصاف بیان کرو۔

﴿الَّذِي تَرَىٰ إِلَىٰ الذِّى حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ (البقرة: ۲۵۸)

”کیا آپ نے اس شخص کے بارے میں غور نہیں کیا؟ جو ابراہیم u سے ان کے رب کے بارے میں جھگڑ رہا تھا۔ اس بناء پر کہ اللہ نے اس کو حکمرانی سے نوازا تھا۔ جب ابراہیم نے کہا میرا رب وہ ہے جس کے اختیار میں زندگی اور موت ہے تو بادشاہ کہنے لگا زندگی اور موت میرے اختیار میں بھی ہے ابراہیم نے فرمایا: اچھا اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تم اسے مغرب سے نکال لاؤ، کافر ششدر رہ گیا اللہ ایسے ظالموں کو کبھی ہدایت نہیں دیا کرتا۔“

علامہ ابن کثیر نے تفسیر ابن کثیر میں اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نمرود کو حکومت کرتے ہوئے چار سو سال گزر گئے تھے جس وجہ سے اس کے دماغ میں رعونت اور انانیت پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے جہلاء کے جذبات سے کھیلتے ہوئے دو قیدی منگوائے جس کو پھانسی کا حکم تھا اس کو آزاد کر دیا اور جسے قید سے رہائی ملنے والی تھی اسکی گردن کٹوا دی، پھر بڑے ناز کے ساتھ مجمع کی طرف دیکھتے ہوئے ابراہیم سے مخاطب ہوا، اور کہا دیکھا مارنے اور زندہ کرنے کا مجھے بھی اختیار ہے۔ جہلاء کی حالت دیدنی ہوگی۔ تالیاں بجاتے اور قہقہے لگاتے ہوئے کہتے ہوں گے کہ دیکھا! ہمارے آقا نے کمال کر دکھایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوچا کہ بے وقوف بادشاہ لوگوں کے جذبات سے کھیل رہا ہے انہوں نے اس دلیل کی لطافت سمجھانے کی بجائے فوراً ایسی دلیل دی کہ جس سے کوئی مغالطہ نہیں دیا جا

سکتا تھا فرمایا کہ میں اس اللہ کی بات کر رہا ہوں جو سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے تو اسے مغرب سے طلوع کر کے دکھا۔ اس کے بعد وہ حیران و ششدر رہ گیا چاہیے تو یہ تھا کہ وہ فوراً تسلیم و اطاعت کے لیے اپنے آپ کو پیش کرتا لیکن اس نے اپنی خفت مٹانے اور عوام کو قابو رکھنے کے لیے وہی طریقہ اختیار کیا جو ہر دور میں ظالم اور فاسق حکمران اختیار کیا کرتے ہیں۔

امن عامہ کے تحت گرفتاری..... فوراً حکم دیا کہ امن عامہ کے تحت اسے گرفتار کر لیا جائے چنانچہ ابراہیمؑ کو جیل میں بند کر دیا گیا اور پھر بادشاہ کی کابینہ نے انہیں زندہ جلادینے کا فیصلہ کیا بالفاظ دیگر عوام بھی اور حکمران بھی سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ ابراہیمؑ کو زندہ نہ چھوڑا جائے بلکہ اُسے عبرتناک سزا دی جائے۔

عوامی مطالبہ

﴿قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ﴾

”اگر اپنے خداؤں کو بچانا چاہتے ہو تو اسے زندہ جلادو۔“ (انبیاء: ۶۸)

شاہی کونسل کا فیصلہ

﴿قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ﴾

”اس کے لئے ایک بڑا گہرا گڑھا بناؤ اس کو آگ سے بھر کر ابراہیمؑ کو دکھتے ہوئے

انگڑوں میں پھینک دو۔“ (الصفت: ۹۷)

شاہی آرڈیننس کے تحت پوری مشینری آگ کو بھڑکانے میں لگی ہوئی ہے۔ علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ لوگوں کے جذبات کا عالم یہ تھا کہ عورتیں نذریں مانتی تھیں کہ اگر فلاں مشکل یا بیماری رفع ہو جائے تو میں اتنی لکڑیاں آگ میں پھینکوں گی مؤرخین نے تحریر کیا ہے کہ آج تک آگ کا اتنا بڑا لاؤدیکھنے میں نہیں آیا آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرتے ہوئے محسوس ہوتے تھے جب آگ میں پھینکنے کا وقت آیا تو مسئلہ پیدا ہوا کہ اتنی بڑی آگ میں کس طرح پھینکا جائے۔

مرکزی کابینہ کا ہنگامی اجلاس طلب کیا جاتا ہے زیر غور مسئلہ یہ ہے کہ ابراہیمؑ کو آگ میں کس طرح پھینکا جائے

؟ فیصلہ ہوتا ہے کہ ایسی مشین تیار کئی جائے جس میں جھولا دے کر آگ کے درمیان میں پھینکا جائے لہذا اس طرح کیا گیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے بچا لیا اور دنیا و آخرت میں معزز فرما دیا۔

﴿قُلْنَا يٰنَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ﴾

”ہم نے کہا اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا۔“ (الانبیاء: ۶۹)

﴿وَ اِذْ اَبْتَلٰى اِبْرٰهِيْمَ رَبُّهُ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِيْ الظَّالِمِيْنَ﴾

”جب ابراہیم (علیہ السلام) کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان سب میں

پورے اترے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے ابراہیم (علیہ السلام)! میں تجھ کو سب دنیا کا پیشوا بنانے والا

ہوں ابراہیم (علیہ السلام) نے عرض کیا۔ کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میرا

وعدہ ظالموں کیلئے نہیں ہے۔“ (البقرہ: ۱۲۴)

﴿وَ اٰتَيْنَاهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ اِنَّهُ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾

”اور ہم نے آپ کو دنیا میں عزت عطا کی اور آخرت میں آپ نیک لوگوں کے ساتھی ہوں

گے۔“ (النحل: ۱۲۲)

تعجب ہے اس پر.....!

(رضوان اللہ بھٹوی)

جو موت کو حق جانتا ہے اور پھر ہنستا ہے۔

جو دنیا کو فانی جانتا ہے پھر اس کی رغبت کرتا ہے۔

جو تقدیر کو پہچانتا ہے پھر جانے والی چیز کا غم کرتا ہے۔

جو دوزخ کو حق جانتا ہے پھر گناہ کرتا ہے۔

جو جنت پر ایمان رکھتا ہے پھر دنیا میں آرام کرتا ہے۔

جو شیطان کو دشمن جانتا ہے پھر اس کی اطاعت کرتا ہے۔

عید الاضحیٰ کے بعد قربانی

کتنے دن تک درست ہے؟

تحریر..... شیخ الحدیث والنسیر حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ

عید الاضحیٰ کے بعد قربانی کرنا کتنے دن تک درست ہے؟ اس مسئلے میں ائمہ کے قریباً سات قول ہیں:

- ۱۔ عید کے بعد دو دن۔ امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد رحمہم کا یہی ملک ہے۔
- ۲۔ عید کے بعد تین دن۔ عطاء، حسن بصری، امام اوزاعی، امام شافعی، ابو ثور رحمہم وغیرہ کا یہی قول ہے۔
- ۳۔ عید کے بعد چھ دن تک۔ یہ قنادہ کا مذہب ہے۔
- ۴۔ دس دن تک۔ یہ ابن تین کا خیال ہے۔
- ۵۔ ذوالحجہ کے بیس دن۔ یعنی آخر ماہ تک (حسن بصری، عمر بن عبدالعزیز) سلیمان بن یسار، ابو مسلم بن عبدالرحمان۔

۶۔ عام شہروں میں صرف ایک دن اور منیٰ میں تین دن۔ (سعید بن جبیر، جابر بن زید)

۷۔ صرف عید کے دن۔ ابن سیرین، حمید بن عبد الرحمن۔

(عمدة القاری: ۶۳/۱۰، نیل الأوطار: ۲۱۶/۵، مغنی ابن قدامہ مع الشرح: ۱۱۴/۱۱) فتح الباری (۳۲۵/۲۳)

ان مذاہب سے سب سے پہلا اور دوسرا مذہب عامۃ المسلمین میں معمول بہا ہے، فقہاء حنفیہ کا رجحان پہلے مسلک کی طرف ہے، ہمارے ملک میں چونکہ عام لوگ حنفیہ ہیں اور وہ دوسرے مسلک کو ناپسند کرتے ہیں، اس لیے ضرورت محسوس ہوئی ہے کہ دوسرے مسلک کی وضاحت کی جائے تاکہ کم علم اور جاہل لوگ عامۃ المسلمین میں منافرت نہ پھیلا سکیں اور مسلمان جس مسلک پر چاہیں عمل کریں۔

دوسرے مسلک کے دلائل:

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«والاضحية جائزة يوم النحر وأيام منى كلها لأنها أيام النسك» الخ

”قربانی منی کے تمام دن جائز ہے، کیونکہ یہ حج کے ایام ہیں۔“

پھر فرماتے ہیں:

«فإن قال قائل ما الحجة في إن أيام منى أيام اضحى كلها قيل كما كانت

الحجة بأن يومين بعد يوم النحر يوماضحية فإن قال قائل فكيف ذلك قيل

نحر النبي وضحى في النحر فلما لم يحظر على الناس أن يضحوا بعد يوم

النحر بيوم أو يومين لم نجد اليوم الثالث مفارقا لليومين قبله لأنه ينسك فيه

ویرمی كما ينسك ویرمی فیہما، فإن قال فهل في هذا من خبر قيل نعم عن

النبي ﷺ فيه دلالة سنة» (كتاب الأم: ۱۹۱/۲ طبع مصر، ۱۳۸۸ھ)

”اگر پوچھا جائے کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ سارے ایام منی (۱۰ ذوالحجہ سے ۱۳ تک) میں قربانی

درست ہے؟ جواب یہ ہے کہ عید کے بعد دو دن قربانی جس دلیل سے درست ہے، اسی دلیل

سے تیسرے دن بھی جائز ہے۔ آنحضرت ﷺ نے خود تو قربانی عید کے دن فرمائی۔ اس کے بعد

نہ دو دن کے لیے قربانی سے روکا، نہ تیسرے دن کے لیے یعنی تیرہ تاریخ کے لیے گیارہ اور بارہ

سے کوئی الگ حکم دیا بلکہ جب احکام حج میں وہ ان کے ساتھ برابر ہے تو قربانی میں ان سے بلا

دلیل الگ کیوں کیا جائے، اگر پوچھا جائے کہ اس کے متعلق کوئی حدیث ہے تو جواب یہ ہے کہ

ہاں آنحضرت ﷺ سے سنت میں اس پر دلیل موجود ہے۔“

مختصر مرنی (۲۱۴/۵ بر حاشیہ کتاب الام) میں بھی مختصر اس کی تائید موجود ہے۔ ابن قدامہ مغنی میں اس

مسلک کے متعلق فرماتے ہیں:

«روی عن علي آخره آخر أيام التشريق وهو مذهب الشافعي وقول عطاء

والحسن لأنه روى عن جبير بن مطعم أن النبي قال أيام منى كلها منحر»
(۱۱/۱۱۴)

”ذبح آخر ایام تشریق تک درست ہے، امام شافعی، عطاء، حسن بصری کا یہی مذہب ہے اور اس کی دلیل جبر بن مطعم کی حدیث ہے۔“
امام شوکانی رحمہ اللہ جبر بن مطعم کی حدیث پر گفتگو کے بعد فرماتے ہیں:

«وقد استدل بالحديث على إن أيام التشريق كلها أيام ذبح وهي يوم النحر وثلاثة أيام بعده وقد تقدم الخلاف فيها في كتاب العيدين، وكذلك روى في الهدى عن علي أنه قال أيام النحر يوم الأضحى وثلاثة أيام بعده وكذا حكاه النووي عنه في شرح مسلم وحكاه أيضاً عن جبير بن مطعم و ابن عباس و عطاء و الحسن البصري و عمر بن عبد العزيز و سليمان بن موسى الاسدي فقيه أهل الشام و مكحول و الشافعي و داود الظاهري و حكاه صاحب الهدى عن عطاء و الأوزاعي و ابن المنذر ثم قال و روى من وجهين مختلفين يشد أحدهم الآخر عن النبي أنه قال كل منى منحر و كل أيام التشريق ذبح و روى من حديث جبير بن مطعم وفيه انقطاع و من حديث أسامة بن زيد عن عطاء عن جابر قال يعقوب بن سفيان أسامة بن زيد عند أهل المدينة ثقة مأمون»
اھ (نبیل الأوطار: ۵/۲۱۶)

”یہ حدیث دلیل ہے، اس امر کی کہ تین ایام تشریق میں ذبح درست ہے، یعنی یوم النحر اور اس کے بعد تین دن زاد المعاد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ قربانی عید کے تین دن بعد تک درست ہے، اور اسی طرح نووی نے مسلم کی شرح میں لکھا ہے اور جبر بن مطعم اور ابن عباس، عطاء، حسن بصری، عمر بن عبد العزیز، سلیمان موسیٰ اسدی سے جو شام کے فقیہ ہیں، مکحول، امام شافعی اور داود ظاہری رحمہم اللہ سے نقل کیا ہے۔ ابن قیم رحمہ اللہ نے عطاء، اوزاعی اور ابن منذر رحمہم اللہ کا مذہب بیان کیا ہے، پھر فرمایا: یہ حدیث دو طریق سے مروی ہے، جو ایک دوسرے کے لیے

تقویت کا موجب ہے، جبیر بن مطعم کے طریق میں انقطاع ہے، جابر کی حدیث اسامہ بن زید کے طریق سے مروی ہے اور یعقوب بن سفیان کہتے ہیں کہ اسامہ بن زید اہل مدینہ میں بہت ثقہ ہیں۔“

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

«قال ابن بطال تبعاً للطحاوی لم ينقل عن الصحابة غیر هذين القولين» اھ
 ”صحابہ سے ان دو مذہب کے سوا کوئی منقول نہیں۔“

اور دوسرے قول (یعنی قربانی چار دن ہے) کو جمہور کا قول فرماتے ہیں:

«و حجة الجمهور حدیث جبیر بن مطعم رفعه فجاء من منحر وفي كل أيام التشريق ذبح» أخرجه أحمد لكن في أسناده انقطاع و وصله الدارقطني و رجاله ثقات. اھ»

(فتح الباری: ۵/ ۳۲۳، ۳۲۵ طبع دہلی)

”جمہور کی دلیل جبیر بن مطعم کی مرفوع حدیث ہے، سارے ایام تشریق میں ذبح کرنا درست ہے، اسے امام احمد رحمہ اللہ نے روایت فرمایا، اس کی روایت میں انقطاع ہے، دارقطنی نے اسے موصول بیان فرمایا ہے، اس کے رجال ثقہ ہیں۔“

امام زیلعی نصب الراية میں اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

«الحديث السابع قال عليه السلام «أيام التشريق كلها أيام ذبح» قلت رواه أحمد في مسنده وابن حبان في صحيحه في النوع الثالث والأربعين من القسم الثالث من حديث عبد الرحمن بن أبي حسين عن جبیر بن مطعم عن النبي قال كل أيام التشريق ذبح و عرفة كلها موقف - الخ - وقد ذكرناه اتمامه في الحج ورواه البزار في مسنده وقال ابن أبي حسين لم ينق جبیر بن مطعم و رواه البيهقي في المعرفة ولم يذكر فيه انقطاعاً وأخرجه الدارقطني في سنة عن أبي معبد عن سليمان بن موسى عن عمرو بن دينار عن جبیر بن

مطعم مرفوعاً و أبو معبد بمشنة فيه لين و اخرجه هو و البزار عن سويد بن عبد العزيز عن سليمان بن موسى عن نافع بن جبیر بن مطعم عن أبيه مرفوعاً قال البزار لا نعلم قال فيه عن نافع بن جبیر عن أبيه إلا سويد بن عبد العزيز و هو ليس بالحافظ و لا يحتج به إذا » الخ

”ساتویں حدیث۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ایام تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳) قربانی کے دن ہیں۔“ میں کہتا ہوں اس روایت کو امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح (ابن حبان) میں قسم ثالث کی تینتالیسویں نوع کے تحت عبد الرحمن بن ابی حسین کے واسطہ سے جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایام تشریق قربانی کے دن ہیں، میدان عرفات میں کہیں بھی قیام کیا جاسکتا ہے۔ یہ مکمل روایت ہم نے کتاب الحج میں ذکر کی ہے امام بزار نے اس روایت کو اپنی مسند میں ذکر کر کے فرمایا ہے کہ ابن ابی حسین کی ملاقات جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں۔ امام بیہقی نے اس حدیث کو معرفۃ السنن والاثر میں ذکر کیا ہے۔ لیکن منقطع ہونے کا ذکر نہیں کیا، امام دارقطنی رحمہ اللہ نے سنن دارقطنی میں ابو معبد کی سند سے ذکر کیا ہے۔ وہ سلیمان بن موسیٰ سے وہ عمرو بن دینار سے اور وہ جبیر بن مطعم سے مرفوع بیان کرتے ہیں۔ ابو معبد میں معمولی سا ضعف ہے۔ دارقطنی اور بزار نے سويد بن عبد العزيز کی سند سے ذکر کیا ہے۔ وہ سلیمان بن موسیٰ سے وہ نافع بن جبیر بن مطعم سے اور وہ اپنے باپ سے مرفوع بیان کرتے ہیں۔ امام بزار فرماتے ہیں کہ نافع بن جبیر کے واسطہ سے صرف سويد بن عبد العزيز ہی بیان کرتا ہے اس کا حافظہ درست نہیں اور وہ قابل اعتماد بھی نہیں ہے۔“

جبیر بن مطعم کی حدیث مختلف طریق سے مقطوع مرفوع ثقافت ضاعف سب سے مروی ہے، تمام طریق میں کچھ نہ کچھ نقص ہے، مگر اس کے باوجود مجموعہ طرق سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث کی کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور ہے، اس لیے ائمہ حدیث کا رجحان اسی طرح ہے، کیونکہ باقی مسلک یا تو بالکل بے دلیل ہیں، یا ان کی بنیاد محض آثار میں غرابت بھی ہے، چنانچہ امام زیلعی نصب الراية میں حضرت عمر علی ابن عباس کے آثار کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ”غریب جداً“ اس میں بہت ہی غرابت ہے۔

(۲/۲۱۳)

ظاہر ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک جمہور کا مسلک ہونے کے علاوہ دلیل کے لحاظ سے بھی نسبتاً مضبوط ہے، اس لیے مسلک پر عمل درست ہے اور انکار جہالت۔

امام بیہقی نے جبیر بن مطعم کی حدیث کے تمام طرق کا ذکر کیا ہے اور معاویہ بن یحییٰ صدفی کے طریق میں ابو سعید اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما دونوں سے نقل کیا ہے، ابن عباس، حسن، عطا، عمر بن عبد العزیز، سلیمان بن موسیٰ اور کھول کے آثار کی اسانید بھی ذکر کی ہیں، جن سے مجموعی طور پر اس مسلک کے ماخذ کی قوت معلوم ہوتی ہے۔ (سنن بیہقی: ۸/۲۹۵)

علامہ ترکمانی حنفیہ کے لیے متعصب مشہور ہیں، وہ بھی فرماتے ہیں:

«لم یصح فی هذا الباب عن النبی شیء» (۸/۲۹۷)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلے میں دونوں طرف کوئی حدیث ثابت نہیں، سارا مدار آثار صحابہ رضی اللہ عنہم پر ہے۔

ظاہر ہے کہ اس صورت میں کسی مسلک پر انکار دینا انت علمی کے خلاف ہے۔

علامہ پیشی جبیر بن مطعم کی حدیث کے بعد فرماتے ہیں:

«رواہ أحمد وروی الطبرانی فی الأوسط عنه أيام التشريق کلهما ذبح ورجال أحمد وغیره ثقات» (مجمع الزوائد: ۴/۲۴)

یعنی احمد اور طبرانی نے اوسط میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور احمد وغیرہ کے رجال ثقہ ہیں۔

حافظ دارقطنی نے حدیث جبیر بن مطعم کو مرفوعاً ذکر کیا ہے۔ اور صاحب تعلیق المغنی نے نصب الرایۃ کا اقتباس نقل فرمایا ہے، جس سے حدیث جبیر بن مطعم کا مقام ظاہر ہو جاتا ہے، اور اس کے ساتھ احناف کے مسلک اور ان کے دلائل کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ دینا تدر آدمی کے لیے دونوں مسلکوں میں ترجیح کے وجہ آشکار ہو جاتے ہیں، معاملہ کی تہہ تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں، مگر تنگدل اور متعصب کے لیے نصوص بھی کفایت نہیں کر سکتے۔

حافظ ابن القیم فروع میں حنبلی ہیں اور حنابلہ کا مسلک اس مسئلہ میں احناف ہی سے ملتا ہے، مگر دلیل کی

قوت کے پیش نظر ان کی رائے کا رجحان امام شافعی اور ائمہ حدیث کی طرف ہے۔ وہ پوری جرأت کے ساتھ اس مسلک کی حمایت کرتے ہیں، مختصر بحث کے بعد فرماتے ہیں:

«وقد قال علی ابن ابی طالب أيام النحر يوم الأضحى أو ثلاثة أيام بعده وهو مذهب إمام أهل البصرة الحسن وإمام أهل مكة عطاء ابن أبي رباح وإمام أهل الشام الأوزاعي وإمام فقهاء أهل الحديث الشافعي واختاره ابن المنذر ولان الثلاثة تختص بكونها أيام منى وأيام الرمي وأيام التشريق وبحرم صيامها فهي أخوة في هذه الأحكام فكيف تفترق في جواز الذبح بغير نص ولا اجماع وروى من وجهين مختلفين يشد أحدهما الآخر عن النبي أنه قال كل منى، منحر وكل أيام التشريق ذبح وروى من حديث جبير بن مطعم وفيه انقطاع ومن حديث أسامة بن زيد عن عطاء عن جابر، قال يعقوب بن سفيان أسامة بن زيد عند أهل المدينة ثقة مأمون»

(زاد المعاد: ۱/۲۳۶) یہ عبارت مع اردو ترجمہ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے میں آچکی ہے۔ بعض کم فہم اور متعصب حضرات سارا زور جبر بن مطعم کی حدیث اور اس پر جرح میں صرف کر دیتے ہیں، حالانکہ جبر بن مطعم کی حدیث استدلال کی بنیاد نہیں بلکہ مؤید ہے، اصل بنیاد دونوں مسلکوں میں مشابہت ہے، جہاں دونوں کا ذکر ہے، وہاں تیسرے سے روکنے کا کوئی قرینہ نہیں اور ایام منیٰ میں تشابہہ اور مضامبات ظاہر ہے، اس لیے حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے جبر بن مطعم کی حدیث کا ذکر صرف تذکرہ اور تائید کیا ہے، اسے اساس استدلال قرار نہیں کروایا، یہ وہ انصاف پسندی ہے جو تقلید و جمود کے بعد کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے، وہ امام احمد کے مسلک کو جانتے ہیں، مگر دلائل کی روت سے اسے رد کر رہے ہیں، یہی وہ حضرت ہیں، جن سے ایمان اور دیانت کی سرزمین ہمیشہ سبز و شاداب رہے گی۔

رضي الله عنهم وأرضاهم.

الحافظ مجد الدین ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے جبر بن مطعم کی حدیث کے طرق ذکر کر کے فرمایا:

«هذه الطرق التي روى بها كلها منقطعات ولكن رواه ابن حبان في

صحیحہ موصولاً بنحو هذا المتن» (منتقى الأخبار: ۲ / ۳۰۸)

”یہ تمام طرق منقطع ہیں، لیکن ابن حبان نے یہ تین موصول بیان کیا ہے۔“ (یہ عبارت منقہی کے مصری نسخہ میں ہے، غالباً ہندوستانی نسخہ میں نہیں)

اس سے ظاہر ہے کہ ابن حبان نے اس متن کو موصولاً بیان کیا ہے، گویا انقطاع کی علت جاتی رہی، اگر یہ صحیح ثابت ہو جائے تو یہ مسلک بہت زیادہ مضبوط ہو جائے گا، اس وقت کسی مسلک پر تنقید کرنا مقصود نہیں، ویسے بھی موضوع بہت طویل ہو گیا، تلخیص الحبر اور الدرر الیہ فی تخریج احادیث الہدایہ سے استفادہ اسی لیے نظر انداز کر دیا گیا ہے، ابن حزم چونکہ بقیہ ذوالحجہ میں قربانی کے قائل ہیں، اس لیے انھوں نے دونوں مسلک کے آثار پر بھی گفتگو فرمائی ہے، ان کی اسانید کا جائزہ لیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امت کا تعامل دونوں مسالک میں پایا جاتا ہے اور صحابہ تابعین دونوں مسالک پر عمل کرتے تھے، بلکہ عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دونوں مسلک مروی ہیں۔ (محلّی: ۷/ ۳۷۷)

میں آثار کی اسانید پر بحث فرمائی۔ من شاء فلیرجع الیہ

زرقاتی نے شرح موطأ میں امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک ذکر فرمایا کہ ابن حبان کی حدیث کو ذکر کیا ہے، اس کی سند پر جرح نہیں کی، البتہ اپنے مسلک کے مطابق اس کی توجیہ کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

(زرقاتی مطبوعہ مصر: ۳/ ۷۹)

جہاد احادیث کی روشنی میں (حافظ طلحہ گجرات)

۱۔ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا مسلمانوں کی ایک جماعت ہمیشہ حق کے لیے لڑتی رہے گی، یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ (مسلم)

۲۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص مرا جب کہ نہ اس نے جہاد کیا اور نہ کبھی اس کے دل میں جہاد کا خیال گزرا وہ نفاق کی ایک قسم پر مرا۔ (مسلم)

مسئلہ وسیلہ کے بارے میں طاہر القادری صاحب

کا ایک بہت بڑا مغالطہ اور اس کی حقیقت

(قسط اول)

عبدالرحمن ضیاء مدرسہ تعلیم القرآن والحديث جھنگ

جناب طاہر القادری صاحب عامۃ الناس کی آنکھوں میں مٹی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب حضرت آدم علیہ السلام خطا و لغزش کے مرتکب ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا اے پروردگار میں تجھ سے محمد ﷺ کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما تو اس پر اللہ رب العزت نے فرمایا کہ تم نے محمد ﷺ کو کس طرح پہچان لیا حالانکہ ابھی تک میں نے انھیں تخلیق | بھی نہیں کیا اس پر حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ مولا! جب تو نے اپنے دست قدرت | سے مجھے تخلیق کیا اور اپنی روح میرے اندر پھونکی، میں نے اپنا سراوڑ اٹھا کر دیکھا | تو عرش کے ہر ستون پر لا إله إلا الله مُحَمَّدٌ رَّسُولُ الله لکھا ہوا تھا تو میں نے جان لیا کہ تمہارے نام کے ساتھ اسی کا نام ہو سکتا ہے جو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ تجھے محبوب ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تو نے سچ کہا ہے مجھے ساری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب وہی ہیں اب جبکہ تم نے اس کے وسیلہ سے مجھ سے دعا کی ہے تو میں نے تجھے معاف کر دیا۔

۱۔ اب ان قادری لوگوں کا وہ نظریہ کہاں گیا جس کی نشر و اشاعت کی جارہی ہے کہ آپ ﷺ کے نور کی تخلیق ساری کائنات سے قبل ہے جس کی بنا پر آپ ﷺ کو نور من نور اللہ اور مصدر کائنات کہا جاتا ہے؟ ۲۔ میں کہتا ہوں احناف کے ہاں معروف کتاب الفقہ الکبر للامام ابی حنیفۃ العمان بن ثابت الکوئیؒ بمع شرح ملا علی قاری حنفی کے ص ۵۹ پر لکھا ہوا ہے کہ لَا يُقَالُ: إِنَّ يَدَهُ قُدْرَتُهُ أَوْ نِعْمَتُهُ لِأَنَّ فِيهِ إِبْطَالَ

الصِّفَةِ وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْقَدَرِ وَالْاِعْتِزَالِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے دست (یعنی ہاتھ) کے بارے دستِ قدرتِ باری تعالیٰ یا نعمتِ باری تعالیٰ نہ کہا جائے کیونکہ اس طرح قدریہ اور معتزلہ کہتے ہیں۔ (فقہ اکبر ص ۵۹) یہ کتاب فقہ اکبر بہت سے احناف امام ابو حنیفہ ہی کی تصنیف سمجھتے ہیں۔ (دیکھئے تذکرہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ، تالیف میاں جمیل احمد شر قیوری نقشبندی مجددی ص ۱۹۷ تا ۲۰۱) ملا علی قاری فرماتے ہیں اسی پر بعض خلف ہیں جو کہ سلف کے مخالف ہیں۔ (شرح فقہ ص ۵۹) نیز دیکھئے شرح عقیدہ طحاویہ لابن ابی العز الحنفی۔ ۳ اس سے عیاں ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کے پاس نبی معرفت نہیں تھی کیونکہ انہیں عرش کی طرف سر اٹھا کر لکھا ہوا دیکھ کر ہی نبی ﷺ کی معرفت ہوئی تھی۔

وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ اور اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تجھے بھی تخلیق نہ کرتا (مستدرک حاکم یہ حدیث صحیح الإسناد ہے)

(مزعومہ دعویٰ قادریہ)..... جناب طاہر القادری صاحب لکھتے ہیں: ”اس حدیث پاک کو جن اجل علماء اور ائمہ و حفاظ حدیث نے اپنی کتب میں نقل کر کے صحیح قرار دیا ہے ان میں سے بعض یہ ہیں:

- ۱۔ امام بیہقی فی الدلائل ص: ۵/۲۸۹
- ۲۔ ابونعیم فی الحلیہ: ۵۳/۹
- ۳۔ التاریخ الکبیر للبخاری: ۷/۳۷
- ۴۔ المعجم الصغیر للطبرانی: ۲/۸۲
- ۵۔ الھیشمی فی مجمع الزوائد: ۸/۱۵۳
- ۶۔ ابن عدی فی الکامل: ۴/۱۵۸۵
- ۷۔ الاجری فی الشریعہ: ۲۲۲-۲۲۵
- ۸۔ الدر المنثور: ۱/۶۰
- ۹۔ فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲/۱۵۰

پھر قادری صاحب اس روایت سے اپنے مخصوص انداز میں اپنے موقف پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
اس حدیث مبارکہ میں حضرت آدم علیہ السلام (أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ) کے الفاظ کے ذریعے رب کی بارگاہ میں اپنی خطا کی معافی کے لیے عرض کرتے ہیں تو رحمتِ باری تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کے ان الفاظ کے انتخاب پر جھوم جاتی ہے اور ”قَدْ غَفَرْتُ لَكَ“ کہہ کر انھیں بخشش و

مغفرت کا مژدہ جانفزا سنا دیا جاتا ہے۔ گویا حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی ساری ذریت کو اپنے اس عمل سے یہ تعلیم دے دی ہے کہ جب بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کی نافرمانی و محصیت کے مرتکب ہو جاؤ تو بجائے مایوس ہونے کے حضور علیہ السلام کے وسیلہ سے بارگاہ خداوندی میں توبہ کرو وسیلہ مصطفیٰ ﷺ سے جملہ خطائیں معاف ہو جائیں گی۔

(دیکھئے عقیدہ توحید اور حقیقت شرک از طاہر القادری ص ۲۶۶-۲۶۷)

اس دعویٰ قادریہ کی حقیقت

أولاً: میں کہتا ہوں قادری صاحب نے اس جگہ ایک بہت بڑا مغالطہ دیا ہے، قادری صاحب کے ذکر کردہ ان نو کبار علمائے حدیث پر ایک بہت بڑا بہتان باندھا ہے کیونکہ اس روایت کو ان اجل علماء اور حفاظ حدیث میں سے کسی ایک نے بھی صحیح قرار نہیں دیا۔

قارئین حضرات آپ یہ معلوم کر کے حیران ہوں گے کہ جن اجل علماء اور ائمہ کی طرف قادری صاحب نے اس حدیث کو صحیح قرار دینے کی نسبت کی ہے، ان محدثین اور حفاظ حدیث میں سے کسی ایک نے بھی اس روایت کو صحیح قرار نہیں دیا بلکہ قارئین کی خاطر میں ان نو محدثین کو تین گروہوں میں تقسیم کرتا ہوں اور اس حدیث کے متعلق ان کا موقف بیان کرتا ہوں تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی صاف ظاہر ہو جائے اور وہ اس طرح کہ:

پہلا گروہ: اس گروہ نے تو اسے سرے سے ذکر ہی نہیں کیا۔ اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ ابونعیم۔ قادری کی ترتیب کے مطابق نمبر ۲

میں کہتا ہوں کہ ابونعیم نے تو اس کے راوی عبدالرحمن بن زید بن اسلم کے متعلق فرمایا ہے کہ اس نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے اور وہ کوئی شئی نہیں یعنی معتبر نہیں۔

انھوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ: رَوَى عَنْ أَبِيهِ أَحَادِيثَ مَوْضُوعَةً. اس نے اپنے باپ سے موضوع (خود ساختہ) احادیث روایت کی ہیں: دیکھئے

(کتاب الضعفاء لابن نعیم ترجمہ نمبر ۱۲۲ نیز دیکھئے تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۱۷۷)

۲-۲۔ امام بخاری۔ قادری کی ترتیب کے مطابق نمبر ۳

میں کہتا ہوں کہ کتنے تعجب اور حیرت کی بات ہے کہ قادری صاحب نے سید الفقہاء اور امیر المحدثین امام بخاریؒ پر بھی الزام لگایا ہے کہ وہ بھی اس روایت کو صحیح قرار دیتے ہیں اور قادری نے امام بخاری کی کتاب التاریخ الکبیر ۳/۴ کا حوالہ بھی دیا ہوا ہے۔ حالانکہ امام بخاریؒ نے اس جگہ اس روایت کو بالکل درج ہی نہیں کیا بلکہ اس کے ایک راوی عبدالرحمن بن زید بن اسلم پر اپنے شیخ علی بن مدینیؒ کی جرح نقل کی ہے کہ انھوں نے اسے سخت ضعیف قرار دیا ہے اور امام بخاریؒ کے خاص شاگرد امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے کہا ہے: لَا أَرَوِي عَنْهُ شَيْئًا میں عبدالرحمن بن زید سے کوئی شیء روایت نہیں کرتا۔

(جامع الترمذی: ابواب الصوم، باب ما جاء في الصائم يذره القيء)

پھر امام ترمذیؒ نے امام احمد بن حنبلؒ اور امام علی بن مدینیؒ وغیرہ کی جرح نقل کر کے فرمایا ہے۔ وَهُوَ كَثِيرُ الْغَلَطِ وَهٗ بِهٖ غَلْطٌ كَرَنَ وَالَا هٗ۔

(جامع الترمذی: ابواب الزکوۃ، باب ما جاء لا زکوۃ علی المال المستفاد نیز ابواب الحج باب ما جاء فی الاغتسال لدخول مکة بھی دیکھئے)

جناب قادری صاحب کس منہ سے امام بخاری رحمہ اللہ الباری کی طرف یہ بات منسوب کر رہے ہیں کہ انھوں نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے؟

۳-۳۔ ابن عدیؒ۔ قادری کی ترتیب کے مطابق نمبر ۶

میں کہتا ہوں کہ حافظ احمد ابن عدیؒ نے بھی اس روایت کو اپنی کتاب (الکامل فی الضعفاء: ج ۴ ص ۱۵۸۵) میں ذکر ہی نہیں کیا چہ جائیکہ انہوں نے اسے صحیح قرار دیا ہو۔

دوسرا گروہ: اس گروہ نے اسے ذکر تو کیا ہے لیکن اس کی تصحیح کی بالکل صراحت نہیں کی۔ اور وہ یہ ہیں۔

۴-۱۔ سیوطیؒ۔ قادری کی ترتیب کے مطابق نمبر ۸

میں کہتا ہوں کہ سیوطی نے اگرچہ قادری کی محولہ کتاب یعنی اپنی تفسیر الدر المنثور میں اسے ذکر کیا ہے لیکن انہوں نے اس میں اسے صحیح نہیں کہا بلکہ انہوں نے قاضی عیاض کی کتاب الشفاء کی تخریج مناضل الصفاء فی تخریج احادیث الشفاء ص ۹۴ حدیث ۳۸۱ میں اس حدیث کو خود ضعیف قرار دیا ہے۔ اس سے قادری صاحب کا مغالطہ و محادد واضح ہو گیا ہے۔

۵۔۲۔ آخری - قادری کی ترتیب کے مطابق نمبر ۷

میں کہتا ہوں کہ امام آجریؒ نے اسے قطعاً صحیح نہیں کہا، ان کی کتاب الشریعہ کے محقق علامہ حامد فقہیؒ نے اسے باطل قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں غور کرو کیونکہ یہ باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔ (دیکھئے تعلیق الشریعہ لا جری، ص: ۴۲۷)

نیز صاحب الشریعہ علامہ ابو بکر آجریؒ نے اسے مرفوعاً روایت نہیں کیا بلکہ موقوفاً روایت کیا ہے یعنی اس میں اس کا فرمان نبوی ہونا بیان نہیں کیا۔

تیسرا گروہ: اس میں چار محدثین ہیں انہوں نے قادری صاحب کے دعوے کے خلاف اسے ضعیف قرار دیا ہے اور اس کے بعض راویوں پر جرح بھی کی ہے اور وہ چار محدثین یہ ہیں:

۶۔۱۔ امام بیہقی - قادری کی ترتیب کے مطابق نمبر ۱

میں کہتا ہوں کہ امام بیہقیؒ نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ عبدالرحمن بن زید بن اسلم ضعیف ہے اور وہ اس حدیث کو روایت کرنے میں متفرد (اکیل) ہے۔ اور امام بیہقیؒ کی کتاب دلائل النبوة کے محقق ڈاکٹر عبدالمعطی قلجی نے بھی عبدالرحمن بن زید پر میزان الاعتدال (۵۶۴/۲) سے جرح ہی نقل کی ہے۔ (دلائل النبوة ج: ۵/۴۸۹)

اور امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:

عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ زَيْدٍ أَسْلَمَ ضَعِيفٌ لَا يُسْتَحْتَجُّ بِأَمْتَالِهِ -

عبدالرحمن بن زید ضعیف ہے، اس جیسے راویوں کے ساتھ حجت و دلیل نہیں پکڑی جاتی۔

(دیکھئے سنن کبریٰ للبیہقی، جلد ۱، ص ۲۵۸، کتاب الطہارۃ، باب الماء الکثیر لا یُجسَّسُ دُجَابَةً تُحْدِثُ فِيهِ مَالٌ يَتَغَيَّرُ)

اب دیکھئے امام ابو بکر بیہقیؒ تو فرما رہے ہیں کہ عبدالرحمن بن زید اور اس طرح کے دیگر راوی قابلِ حجت نہیں ہیں، لیکن قادری صاحب ہیں جو کہ اس طرح کے راویوں سے حجت پکڑ رہے ہیں، بلکہ امام بیہقیؒ پر یہ الزام لگا رہے ہیں کہ انہوں نے بھی اس کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

۷۔۲۔ علامہ بیہقیؒ قادری کی ترتیب کے مطابق نمبر ۵

میں کہتا ہوں کہ علامہ بیہقیؒ نے اس میں مچھول راوی ہونے کا اعتراف کیا ہے۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں: وَفِيهِ مَنْ لَّمْ أَعْرِفْهُمْ اس میں ایسے راوی ہیں۔ جنہیں میں نہیں پہچانتا (یعنی ان کے نزدیک وہ مچھول ہیں)۔ (مجمع الزوائد: ۸/۲۵۳)

۸۔۳۔ امام طبرائیؒ قادری کی ترتیب کے مطابق نمبر ۴

میں کہتا ہوں کہ امام سلیمان طبرائیؒ نے اس میں احمد بن سعید مدنیؒ فہریؒ راوی کا متفرد ہونا بیان کیا ہے۔ (المعجم الصغير ۲/۸۱) اس میں وہ اس کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

۹۔۴۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ قادری کی ترتیب کے مطابق بھی نمبر ۹

میں کہتا ہوں کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا تفصیلی موقف معلوم کرنے کیلئے قارئین حضرات شیخ الاسلام کا مندرجہ ذیل بیان پڑھ لیں اس میں انہوں نے امام حاکم کی تصحیح کا کھل کر رد فرمایا ہے۔ جبکہ قادری صاحب شیخ الاسلام پر بھی الزام لگا رہے ہیں کہ انہوں نے بھی اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

قادری صاحب نے اپنی کتاب عقیدہ وسیلہ کے صفحہ ۱۶۸ پر محمد بن علوی مالکی سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے کہا ہے:

پس (ابن تیمیہ) کا یہ بات کہنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حدیث ان (ابن تیمیہ) کے نزدیک معتبر ہے۔ حالانکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ امام حاکم کی تصحیح پر تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عبدالرحمن بن زید بن اسلم بالاتفاق ضعیف ہے وہ بہت غلطیاں کرتا ہے، احمد بن حنبلؒ، ابو زرعہؒ، ابو حاتمؒ، نسائیؒ اور دارقطنیؒ وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور ابن حبانؒ نے کہا ہے کہ وہ احادیث میں الٹ پلٹ کر دیتا تھا اور اسے پتہ ہی نہیں چلتا تھا حتیٰ کہ وہ یہ کام کثرت سے کرنے لگا جس کی وجہ سے وہ

متروک قرار پانے کا مستحق ہو گیا۔

پھر شیخ الاسلامؒ نے اس کی مثال دی ہے کہ حاکم نے زریب کی وہ حدیث صحیح قرار دی ہے جس میں مسیح کے وصی کا ذکر ہے حالانکہ وہ حدیث باتفاق محدثین جھوٹ ہے۔ جیسا کہ امام بیہقیؒ اور ابن جوزیؒ وغیرہ نے کھل کر بیان کیا ہے اور اسی طرح مستدرک حاکم میں بہت سی ایسی احادیث ہیں جنہیں وہ صحیح کہہ جاتے ہیں حالانکہ وہ ائمہ حدیث کے نزدیک موضوع (خود ساختہ) ہوتی ہیں اور بعض موقوف ہوتی ہیں جنہیں وہ مرفوع بیان کر جاتے ہیں اسی لئے علمائے محدثین تنہا امام حاکم کی تصحیح پر اعتماد نہیں کرتے۔ (مجموع الفتاویٰ ۱/۲۵۴: ۲۵۵)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

امام حاکم کے اس حدیث کو روایت کرنے کی وجہ سے ان پر دیگر اہل علم کی طرف سے انکار کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ امام حاکم نے اپنی کتاب ”المدخل الی معرفۃ الصحیح من السقیم: ۱۵۴“ میں خود فرمایا ہے کہ عبد الرحمن بن زید بن اسلم نے اپنے باپ سے کئی موضوع احادیث روایت کی ہیں جو اس فن میں غور و فکر کرنے والوں پر پوشیدہ نہیں کہ وہ روایتیں اسی (عبد الرحمن) کی وجہ سے موضوع ہیں (القاعدة الجلیلة فی التوسل والوسيلة ۶۹)

اس روایت کے بارے میں کبار ائمہ محدثین اور اہل تحقیق کا فیصلہ

۱۔ امام ذہبیؒ: امام حاکم نے اسے صحیح الاسناد کہا ہے لیکن حافظ ذہبیؒ ان کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بل موضوع بلکہ یہ موضوع (من گھڑت) خود ساختہ ہے۔

(تلخیص المستدرک ۲/۶۱۵)

امام ذہبیؒ ہی فرماتے ہیں کہ یہ خبر باطل ہے۔ (میزان الاعتدال، لسان المیزان ۳/۳۶۰)

۲۔ حافظ ابن حجرؒ: حافظ ابن حجرؒ نے امام ذہبی کے اس کو باطل قرار دینے کو برقرار رکھا ہے۔

(لسان المیزان ۳/۳۶۰)

اور تقریب التہذیب میں بھی انہوں نے اسے ضعیف ہی کہا ہے۔ (دیکھئے تقریب، ترجمہ نمبر ۳۸۶۶)

۳۔ اور کتاب «مجمع البحرين فی زوائد المعجمين» کے محقق عبدالقدوس بن محمد نیر نے بھی لکھا ہے کہ اس کے راوی مجہول ہیں اور عبدالرحمن بن زید ضعیف ہے۔ (۱۵۱/۶)

۴۔ اور ابن ملقن کی «مختصر استدراک الحافظ الذہبی علی مستدرک ابی عبد اللہ الحاکم» کے محقق عبداللہ بن محمد اللخید ان نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ (جلد ۲: ص ۱۰۶۹-۱۰۷۰)

اور ابن ملقن نے تو کہا ہے کہ: ضَعَفَ الكل یعنی اس عبدالرحمن بن زید کو سب نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (دیکھئے البدیع المنیر، ج ۵، ص ۵۸: ۴۵۸)

۵۔ محقق و محدث ابوالسامہ سلیم بن عید بن محمد ہلالی حفظہ اللہ نے بھی اسے موضوع قرار دیا ہے اور پھر اپنے شیخ محدث البانی رحمہ اللہ کا مفصل فیصلہ بھی نقل کیا ہے۔

(دیکھئے تحقیق السیف المسلول علی من سب الرسول ﷺ، ص ۳۸۸ تا ۳۹۰، سلسلہ ضعیفہ، جلد ۱، ص ۳۹۰، ۴۰)

۶۔ حافظ ابن کثیر نے بھی امام بیہقی کی تضعیف کو برقرار رکھا ہے۔ (البدایۃ والنہایہ ۱/۷۵) **شبہ.....** اگر کوئی کہے کہ امام حاکم نے اسے صحیح الاسناد کیوں کہا ہے؟

جواب شبہ.....: اصل بات یہ ہے کہ امام حاکم نے جب اپنی کتاب مستدرک کا مسودہ تیار کیا تھا وہ اس کی تنقیح و نظر ثانی نہیں کر سکے اور اس کا مبیضہ تیار نہیں کر سکے تھے کہ ان کی وفات ہو گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ علماء محدثین ان کی تصحیح پر اعتماد نہیں کرتے اور امام ذہبی نے تلخیص المستدرک بھی اسی لیے لکھی تھی تاکہ امام حاکم کے تساہلات کو واضح کریں اور اس کی بے شمار مثالیں ہیں جو شیخ البانی کی ارواء الغلیل اور سلسلتین وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ بلکہ امام ذہبی تو فرماتے ہیں کہ امام حاکم کی تصحیح سے دھوکہ نہ کھایا جائے۔ (میزان الاعتدال:)

۷۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

امام حاکم کے اس حدیث کو روایت کرنے کی وجہ سے ان پر دیگر اہل علم کی طرف سے انکار کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ امام حاکم نے اپنی کتاب «المدخل الی معرفۃ الصحیح من السقیم» ص ۱۵۴، میں خود فرمایا ہے کہ عبدالرحمن بن زید بن اسلم نے اپنے باپ سے کئی موضوع احادیث روایت کی ہیں جو اس

فن میں غور و فکر کرنے والوں پر پوشیدہ نہیں کہ وہ روایتیں اسی عبدالرحمن کی وجہ سے موضوع ہیں۔

(القاعدة الجلیلة فی التوسل والوسيلة ۶۹)

قارئین حضرات! آپ نے دیکھ لیا کہ امام حاکم اپنی اس کتاب المدخل میں خود اس حدیث کے راوی کو اپنے باپ سے موضوع (من گھڑت) حدیثیں بیان کرنے والا سمجھ رہے ہیں اور یہ حدیث لکولاک بھی اس نے اپنے باپ ہی سے روایت کی ہے اور وہ اس راوی کو مجروح قرار دے رہے ہیں اور یہی بات دوسرے محدثین کہہ رہے ہیں۔

۸۔ بلکہ امام ابو جعفر طحاوی تو فرماتے ہیں کہ یہ عبدالرحمن بن زید راوی اہل علم کے نزدیک انتہائی درجہ کا ضعیف ہے۔ (سلسلہ ضعیفہ جلد: ۱، ص: ۴۰۳۹) جاری ہے.....

گفتگو میں احتیاط حافظ عبدالقدیر (متعلم جامعہ ہذا)

حضرت علقمہ بن وقاصؓ سے روایت ہے ان کے پاس سے ایک آدمی گزرا جو معاشرے میں اونچا مقام رکھتا تھا، علقمہ نے اس سے کہا کہ تیرا مجھ سے قربت کا تعلق ہے اور مجھ پر تیرا حق ہے اس لیے نصیحت کے طور پر بات کر رہا ہوں۔ میں نے دیکھا ہے کہ تو ان حکمرانوں کے پاس جاتا ہے اور ان سے جو اللہ چاہے بات چیت کرتا ہے۔ میں نے رسول اللہ کے صحابی حضرت بلال بن حارث مزی سے سنا ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

”کوئی شخص اللہ کو راضی کرنے والی ایک بات کرتا ہے وہ نہیں جانتا کہ اس کا وہاں تک اثر ہوگا جہاں تک (حقیقت میں) ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے لیے قیامت تک اپنی خوشنودی لکھ دیتا ہے اور ایک آدمی اللہ تعالیٰ کی ناراضی والی ایک بات کرتا ہے وہ نہیں جانتا کہ اس کا وہاں تک اثر ہوگا جہاں تک (حقیقت میں) ہو جاتا ہے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس دن تک ناراضی لکھ دیتا ہے جس دن اس سے ملاقات ہوگی۔

علقمہ نے کہا: ”اس لیے دیکھ لیا کرتو کیا کہہ رہا ہے اور کیا کچھ منہ سے نکال رہا ہے۔ تیرا بھلا ہو! مجھے تو بلال بن حارث سے سنی ہوئی یہ حدیث کئی باتیں کہنے سے روک دیتی ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

شام اور اہل شام کی فضیلت

تحریر..... مجیب الرحمن سیاف

(مدرس جامعہ ہذا)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((طُوبَى لِلشَّامِ! فَقُلْنَا: لَا يَ ذَلِكْ يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ لِأَنَّ مَلَائِكَةَ الرَّحْمَنِ
بِاسْطَ أَجْنَحَتِهَا عَلَيْهَا))

”خوشخبری ہے شام کیلئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں ہم نے کہا: وہ کیوں؟ تو آپ ﷺ نے
فرمایا: ”شام پر اللہ کے فرشتوں نے اپنے پر پھیلا رکھے ہیں۔“

جامع الترمذی، الناقب، باب فی فضل الشام واليمن (۳۹۵۴) والمستدرک
للحاکم (۲/۲۲۹) والصحیحة للألبانی (۵۰۳)

مندرجہ ذیل احادیث میں ”شام“ کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی حیات
مبارکہ اور بعد میں جس خطہ زمین کیلئے شام کا لفظ بولا جاتا تھا اس پر اب سوریا (اردو میں ”شام“)
لبنان، فلسطین اور اردن جیسے چھوٹے چھوٹے ملک پھیلے ہوئے ہیں۔
متعدد قرآنی آیات میں شام، فلسطین اور بیت المقدس کی سرزمین کی فضیلت بیان کی گئی ہے، ارشاد
باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ ۝ وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا
فِيهَا لِلْعَالَمِينَ﴾

”گو انھوں نے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مکر کا ارادہ کیا لیکن ہم نے انہیں ناکام بنا دیا اور ہم نے
ابراہیم اور لوط علیہ السلام کو نجات دے کر اس سرزمین پر پہنچا دیا جس میں ہم نے تمام جہان

والوں کیلئے برکت رکھی تھی۔“ (الانبیاء: ۷۰، ۷۱)

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ اس بابرکت سرزمین کے متعلق کہتے ہیں:

”اس بابرکت سرزمین سے مراد شام کی سرزمین ہے، اور ہم نے اس کی یہ تفسیر اس لئے کی ہے کہ تمام اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق سے شام ہی کی طرف ہجرت کر کے گئے تھے جہاں آپ نے زندگی کے باقی ایام گزار دیے۔ ہاں آپ مکہ ضرور گئے اور وہاں بیت اللہ بھی تعمیر کیا، اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بھی ان کی ماں ہاجرہ کے ہمراہ وہاں ٹھہرایا لیکن خود وہاں نہیں ٹھہرے، اور نہ ہی اسے اپنے لیے اور حضرت لوط علیہ السلام کے لیے وطن بنایا۔“

تفسیر الطبری (۱۷/۴۶، ۴۷)

اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

((يَقُولُ تَعَالَى مُخْبِرًا عَنِ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ سَلَّمَهُ اللَّهُ مِنْ نَارِ قَوْمِهِ وَأَخْرَجَهُ مِنْ بَيْنِ أَظْهُرِهِمْ مَهَاجِرًا إِلَى بِلَادِ الشَّامِ إِلَى الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ مِنْهَا))

”ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق خبر دی ہے کہ اللہ نے انہیں ان کی قوم کی تیار کردہ آگ سے نجات دی اور وہ ہجرت کر کے ملک شام کی مقدس سرزمین کی طرف چلے گئے۔“

تفسیر ابن کثیر (۳/۲۴۸)

اور علامہ عبد الرحمن السعدی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

((أَيُّ الشَّامِ... وَمِنْ بَرَكَةِ الشَّامِ أَنَّ كَثِيرًا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ كَانُوا فِيهَا، وَأَنَّ اللَّهَ اخْتَارَهَا مَهَاجِرًا لِخَلِيلِهِ، وَفِيهَا أَحَدُ بَيُوتِهِ الثَّلَاثَةِ الْمُقَدَّسَةِ وَهُوَ بَيْتُ الْمُقَدَّسِ))

”اس بابرکت سرزمین سے مراد سرزمین شام ہے..... اور اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی سرزمین پر بہت سارے انبیاء کو مبعوث فرمایا، اور دوسری یہ کہ اسی سرزمین کو ابراہیم علیہ السلام کی جائے ہجرت کے لیے منتخب فرمایا، اور تیسری یہ کہ اسی سرزمین پر اللہ کے تین مقدس گھروں میں سے ایک گھر واقع ہے اور وہ بیت المقدس ہے۔“

تیسیر الکریم الرحمان فی تفسیر کلام المنان (۷۱۴)

(یاد رہے ماضی میں فلسطین ملک شام کا ہی حصہ شمار ہوتا تھا۔)

﴿وَلَسَلِيمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا﴾

”ہم نے تند و تیز ہوا کو سلیمان ؑ کے تابع کر دیا جو ان کے فرمان کے مطابق اس زمین کی

طرف چلتی تھی جہاں ہم نے برکت دے رکھی تھی۔“ (الانبیاء: ۸۱)

امام ابن جریر طبری ؒ کہتے ہیں:

”اللہ رب العزت فرماتے ہیں: کہ ہوا حضرت سلیمان ؑ کے حکم پر بابرکت سرزمین یعنی

شام کی طرف چلتی تھی، اور اس سے مراد یہ ہے کہ ہوا حضرت سلیمان اور ان کے

ساتھیوں کو، جہاں حضرت سلیمان چاہتے لے جاتی تھی، اور پھر انہیں ان کے گھر شام

میں واپس لے آتی تھی۔“ تفسیر الطبری (۱۷/ ۵۵)

﴿يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ﴾ (المائدہ: ۲۱)

”اے میری قوم! اس مقدس زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے نام لکھ دی ہے۔“

اس آیت میں مقدس سرزمین سے مراد فلسطین اور بیت المقدس ہے۔ حضرت موسیٰ ؑ نے اپنی

قوم کو اس میں داخل ہونے کا حکم دیا اور انہیں یقین دہانی کرائی کہ اللہ نے اسے تمہارے لئے ہی لکھ

رکھا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ فلسطین کی سرزمین ان لوگوں کے لیے ہے جو حضرت موسیٰ ؑ کی نبوت

پر ایمان رکھتے ہیں نہ کہ ان لوگوں کے لیے جنہوں نے پہلے شریعت موسویٰ کو ماننے سے

انکار کیا، پھر تورات میں تحریف کر ڈالی اور آخر میں حضرت محمد ؐ کی نبوت و شریعت کو بھی تسلیم نہ کیا۔

﴿وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً﴾ (سبا: ۱۸)

”اور ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان، جن میں ہم نے برکت دے رکھی

تھی، چند بستیاں اور (آباد) کر رکھی تھیں جو سر راہ ظاہر تھیں۔“

اس آیت میں برکت والی بستیوں سے مراد شام کی بستیاں ہیں، بہت سارے مفسرین مثلاً مجاہد،

قناده، حسن بصری، سعید بن جبیر، زید بن اسلم اور ضحاک وغیرہ ؒ نے اس کی یہی تفسیر کی ہے۔

﴿وَالَّتَيْنِ وَالزَّيْتُونِ ۝ وَطُورِ سِينِينَ ۝ وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ﴾ (التين: ۱، ۳)

”قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی، اور طور سینا کی، اور اس امن والے شہر کی۔“

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ان آیات کی تفسیر میں بعض ائمہ کرام سے نقل کیا ہے کہ ”یہ دراصل تین مقامات مقدسہ کی قسم ہے، جہاں اللہ رب العزت نے تین اولوالعزم پیغمبروں کو مبعوث فرمایا۔ پہلا مقام وہ ہے جہاں انجیر اور زیتون کی پیداوار ہوتی ہے، اور وہ ہے بیت المقدس، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ دوسرا مقام طور سینا ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا ہوئی اور تیسرا مقام مکہ مکرمہ ہے جہاں سید المرسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔“ تفسیر ابن کثیر (۶۸۱/۴)

﴿وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضَعُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا﴾ (الأعراف: ۱۳۷)

”اور ہم نے اس قوم کو، جسے کمزور تصور کیا جاتا تھا، اس سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنادیا جس میں ہم نے برکت دے رکھی تھی۔“

یعنی مصر میں شریعت موسوی پر ایمان رکھنے والے بنو اسرائیل کو کمزور قوم سمجھ کر ان پر ظلم کیا جاتا تھا، اللہ نے انہیں فرعون مصر اور اس کی ظالم افواج سے نجات دے کر بابرکت سرزمین یعنی شام کے مشرق و مغرب کا وارث بنادیا۔ تفسیر ابن کثیر (۳۲۳/۲)

﴿وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ﴾

”اور ہم نے مریم کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) اور ان کی والدہ کو (اپنی قدرت کی) نشانی بنایا، اور ان کو ایک ٹیلے پر جگہ دی جو ٹھہرنے کے لائق تھی اور اس میں پانی جاری تھا۔“ (المؤمنون: ۵۰)

آیت میں مذکورہ ٹیلے سے مراد کونسی جگہ ہے؟ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ قتادہ اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے بیت المقدس مراد لیا ہے اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔

تفسیر ابن کثیر (۳۳۰/۳)

﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى﴾

الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿١﴾ (الإسراء: ١)

”وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام (یعنی خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گردا گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا تاکہ اُسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائے، بیشک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔“

احادیث رسول اللہ ﷺ میں شام، فلسطین اور بیت المقدس کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے چند ایک یہاں ذکر ہیں۔

بیت المقدس سرزمین محشر..... صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الْشَّامُ أَرْضُ الْمَحْشَرِ وَالْمَنْشَرِ))

”شام وہ سرزمین ہے جہاں (روز قیامت) لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا اور وہیں سے

وہ (حساب کے لیے) منتشر ہونگے۔“ صحیح الجامع الصغیر (۳۷۲۶)

شام میں برکت ہے..... حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کرتے

ہوئے فرمایا:

((اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَامِنَا، اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي يَمَنِنَا، قَالُوا: وَفِي

نَجْدِنَا، قَالَ: اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَامِنَا، اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي يَمَنِنَا، قَالُوا: وَفِي

نَجْدِنَا، قَالَ: هُنَاكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ وَبِهَا يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ))

”اے اللہ! ہمارے شام میں برکت دے، اے اللہ ہمارے یمن میں برکت

دے۔“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اور ہمارے نجد میں، تو آپ ﷺ نے پھر وہی دعا کی۔ صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم نے پھر کہا: اور ہمارے نجد میں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہاں زلزلے

آئیں گے، فتنے ہوں گے اور وہیں سے شیطان کا سینگ نکلے گا۔“

صحیح البخاری، الفتن، باب قول النبی ﷺ ((الْفِتْنَةُ مِنْ قَبْلِ الْمَشْرِقِ)) (۷۰۹۴)

ومسند أحمد (۲/۹۰، ۱۱۸) وجامع الترمذی، الناقب، باب فی فضل الشام واليمن (۳۹۵۳)

یاد رہے کہ اس حدیث میں نجد سے مراد نجد عراق ہے جسے آپ ﷺ نے فتنوں کا مرکز قرار دیا۔

اہل شام اللہ کی حفاظت میں..... حضرت عبداللہ بن حوالہ الأزدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”عنقریب تم کئی فوجوں میں تقسیم ہو جاؤ گے، ایک فوج شام میں ہوگی، دوسری عراق میں اور تیسری یمن میں ہوگی۔“

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کھڑا ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ سے گزارش کی کہ ان تینوں فوجوں میں سے ایک فوج میرے لئے منتخب کر دیجئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”علیکم بالشام“، یعنی ”تم لازمی طور پر شام کی فوج میں رہنا“ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس لیے کہ شام اللہ کی پسندیدہ زمین ہے، اسی زمین کی طرف اللہ کے بندوں کے گروہ کو اکٹھا کیا جائے گا، اور جس شخص کو شام کی فوج میں شمولیت سے انکار ہو وہ یمن میں چلا جائے اور اس کے پانیوں سے سیراب ہو، اور یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شام اور اہل شام کی ضمانت دی ہے۔“

مسند احمد (۳۳/۵) ابو داؤد، الجہاد (۲۴۸۳) الحاکم (۵۱۰/۴) البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

اہل شام سب سے اچھے لوگ..... حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((سَيَكُونُ هَجْرَةٌ بَعْدَ هَجْرَةٍ، فَخِيَارُ أَهْلِ الْأَرْضِ الْزَمُهُمْ مُهَاجِرَ إِبْرَاهِيمَ))
”عنقریب ایک ہجرت کے بعد دوسری ہجرت ہوگی، تو روئے زمین پر بسنے والے لوگوں میں سب سے اچھے لوگ وہ ہوں گے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے ہجرت (شام) میں مستقل رہائش رکھیں گے۔“

المستدرک للحاکم (۵۱۱/۴) واسنادہ حسن، وفضائل الشام للألبانی (۸۲)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا کہنا ہے:

((وَفِي الْحَدِيثِ بُشْرَى لِأَصْحَابِنَا الَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ حَرَّانَ وَغَيْرِهَا إِلَى

مُهَاجِرِ اِبْرَاهِيْمَ، وَاتَّبِعُوا مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ وَدِيْنِ مُحَمَّدٍ ﷺ))

اس حدیث میں ہمارے ان دوستوں کے لیے بشارت ہے جنہوں نے حران (مشرقی شام) وغیرہ سے حضرت ابراہیم کی جائے ہجرت کی طرف ہجرت کی، اور ملتِ ابراہیمی اور دینِ محمدی کی پیروی کی۔“ فتاویٰ ابن تیمیہ (۲۷/۵۰۹)

اور حضرت ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی يَتَحَوَّلَ خِيَارُ اَهْلِ الْعِرَاقِ اِلَى الشَّامِ، وَيَتَحَوَّلَ شِرَارُ اَهْلِ الشَّامِ اِلَى الْعِرَاقِ))

”قیمت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک عراق کے اچھے لوگ شام میں اور شام کے برے لوگ عراق میں نہ چلے جائیں۔“ مسند احمد (۲۴۹/۵) حسن

اہلِ شام کے ذریعے دین اسلام کی نصرت..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا:

((اِذَا وَقَعَتِ الْمَلَاحِمُ بَعَثَ اللّٰهُ مِنْ دِمَشْقَ بَعَثًا مِّنَ الْمَوَالِيْ هُمْ اَكْرَمُ الْعَرَبِ فَرَسًا وَّاجُوْدَةً سَلَاحًا، يُؤَيِّدُ اللّٰهُ بِهِمُ الدِّيْنَ))

”جب بڑی بڑی جنگیں واقع ہوں گی، اس وقت اللہ تعالیٰ دمشق سے موالیٰ کے ایک گروہ کو مبعوث فرمائے گا، جو عربوں میں بہترین گھڑسوار اور سب سے اچھا اسلحہ رکھنے والا ہوگا، اللہ اس کے ذریعے دین اسلام کی نصرت فرمائے گا۔“

سنن ابن ماجہ، الفتن، باب الملاحم (۴۰۹۰) والمستدرک للحاکم (۴/۵۴۸) وصححه الألبانی

سرزمین شام، ایمان والوں کی آخری پناہ گاہ..... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا:

((سَتَخْرُجُ نَارٌ مِّنْ حَضْرَمَوْتَ أَوْ مِنْ نَحْوِ بَحْرٍ حَضْرَمَوْتَ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ تَحْشُرُ النَّاسَ)) قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: ((عَلَيْكُمْ بِالشَّامِ))

”عنقریب قیامت سے پہلے حضرموت کے سمندر سے (یا حضرموت سے) ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو اکٹھا کرے گی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: تو آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم شام میں مستقل اقامت رکھنا۔“

جامع الترمذی، الفتن، باب لا تقوم الساعة حتی تخرج نار من قبل الحجاز (۲۲۱۷) و مسند أحمد (۶۹/۲) وقال الألبانی: اسنادہ عند أحمد علی شرط الشيخین

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ کا آغاز کس طرح سے تھا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ وَبُشْرَى عِيسَى، وَرَأَتْ أُمِّي أَنَّهُ يَخْرُجُ مِنْهَا نُورٌ أَضَاءَتْ مِنْهَا قُصُورُ الشَّامِ))

”میرے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت (سے میرا آغاز ہوا)، اور میری ماں نے خواب میں دیکھا کہ اس سے ایک نور نکلا ہے جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔“

مسند أحمد (۲۶۲/۵) والمعجم الكبير للطبرانی (۱۷۵/۸) (۷۷۲۹) والصحيحة للألبانی (۱۹۲۵)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”یہ جو آپ ﷺ نے ملک شام کو اپنے نور کے ساتھ خاص کیا ہے، اس میں یہ اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کے دین کو شام میں استقرار نصیب ہوگا، اور یہی وجہ ہے کہ شام کی سرزمین آخر کار اسلام اور اہل اسلام کی آخری پناہ گاہ ہوگی اور اسی پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا۔“

تفسیر ابن کثیر (۲۵۳/۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنِّي رَأَيْتُ كَأَنَّ عَمُودَ الْكِتَابِ انْتَزَعَ مِنْ تَحْتِ سَادَتِي فَأَتْبَعْتَهُ بَصْرِي فَإِذَا هُوَ نُورٌ سَاطِعٌ عُمِدَ بِهِ إِلَى الشَّامِ، أَلَا وَإِنَّ الْإِيمَانَ إِذَا وَقَعَتِ الْفِتْنُ

بِالشَّامِ))

”میں نے (خواب میں) دیکھا کہ میرے تکیے کے نیچے سے کتاب کا ستون (ایمان) کھینچ لیا گیا ہے، میری نظر نے اس کا پیچھا کیا، دیکھا تو وہ ایک نور تھا جو شام کی طرف چمک رہا تھا۔ خبردار! جب فتنے واقع ہوں گے تب ایمان شام میں ہوگا۔“

المستدرک للحاکم (۵۰۹/۴) (۸۵۵۴) ومسنّد أحمد (۱۹۹/۵) وصححه الشیخ الألبانی

اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

((يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى فِيهِ مُؤْمِنٌ إِلَّا لَحِقَ بِالشَّامِ))

”ایک وقت آئے گا جب ہر مومن شام ہی کی طرف جائے گا۔“

المستدرک للحاکم (۴۵۷/۴) (۸۴۱۳) وقال الحاکم: هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین، ووافقه الذہبی

شام میں نزول عیسیٰ علیہ السلام..... فرمان نبوی ﷺ ہے:

((يَنْزِلُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ شَرْقِيَّ دِمَشْقَ))

”حضرت عیسیٰ بن مریم دمشق کے مشرق میں سفید مینار پر نازل ہونگے۔“

صحیح مسلم، الفتن، باب ذکر الدجال (۲۹۳۷) وسنن أبی داؤد، الفتن والملاحم، باب خروج الدجال (۴۳۲۱)

موسیٰ علیہ السلام کی دعا..... حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت دعا کی تھی اے اللہ! مجھے بیت المقدس کی پاک سرزمین کے قریب کر دے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی ”صحیح“ کی کتاب الجنائز، باب مَنْ أَحَبَّ الدَّفْنَ فِي الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ملک الموت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا: اپنے پروردگار کے حکم (موت) کے لیے تیار ہو جائیں، موسیٰ علیہ السلام نے اس کی آنکھ پر تھپڑ دے مارا جس سے اس کی آنکھ باہر آگئی۔ وہ واپس اللہ کے پاس پہنچا اور دربار الہی میں عرض کی: آپ نے مجھے ایسے بندے کی طرف بھیجا ہے کہ جو موت

کا خواہشمند نہیں، اور اس نے میری آنکھ پھوڑ دی ہے۔ اللہ نے اس کی آنکھ لوٹا دی اور فرمایا: میرے بندے کے پاس واپس جاؤ اور اس سے کہو: تم اگر زندگی چاہتے ہو تو ایک نیل کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کے دیکھو، جتنے بال تمہارے ہاتھ کے نیچے آئیں گے اتنے سال تم زندہ رہو گے، (چنانچہ فرشتہ موت نے اللہ تعالیٰ کا پیغام ان تک پہنچایا) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: پھر کیا ہوگا؟ فرشتے نے کہا: پھر آپ پر موت آجائے گی، تو انہوں نے کہا: تب موت ابھی قبول ہے، (پھر اللہ سے دعا کرتے ہوئے کہنے لگے): ”اے اللہ! مجھے پتھر پھینکنے کی مسافت کے برابر پاک سرزمین کے قریب موت دینا۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر میں وہاں ہوتا تو تمہیں راستے کی ایک جانب سرخ ٹیلے کے پاس ان کی قبر دکھا دیتا۔“

صحیح البخاری، مع الفتح (۲۰۶/۳) (۴۴۰/۶)

موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا کیوں کی تھی؟ اس کے بارے میں امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

((وَأَمَّا سُؤَالُهُ الْإِذْنَءَ مِنَ الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ فَلَسَرَفَهَا وَفَضِيلَةَ مَنْ فِيهَا مِنَ الْمَدْفُونِينَ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ وَغَيْرِهِمْ))

”رہا موسیٰ علیہ السلام کا یہ سوال کہ انہیں پاک سرزمین کے قریب کر دیا جائے تو یہ محض اس کے مقام و مرتبہ اور اس میں انبیاء کرام وغیرہ کے مدفون ہونے کی وجہ سے تھا۔“

بیت المقدس اور طائفہ منصورہ..... ارشاد نبوی ہے:

”میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ دین پر قائم اور اپنے مخالفین پر غالب رہے گا۔ اس کی مخالفت کرنے والا اس کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا، الا یہ کہ کوئی تکلیف اسے (اللہ کی طرف سے) پہنچ جائے اور اللہ کا حکم (یوم آخرت) آنے تک وہ بدستور اسی طرح رہے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! وہ کہاں ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”بیت

المقدس اور اس کے آس پاس۔“ مسند احمد (۲۶۹/۵)

حضرت قرۃ بنی اللہ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا فَسَدَ أَهْلُ الشَّامِ فَلَا خَيْرَ فِیْكُمْ، لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِیْ مَنصُورِیْنَ، لَا یَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ))

”جب اہل شام بگڑ جائیں گے تو تمہارے اندر کوئی خیر نہیں ہوگی، میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ غالب رہے گا۔ جو کوئی اسے رسوا کرنے کی کوشش کرے گا وہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا، اور وہ قیامت تک اسی طرح رہے گا۔“

جامع الترمذی، الفتن، باب ماجاء فی اهل الشام (۲۱۹۲) وقال الترمذی: هذا حدیث حسن صحیح ومسنّد أحمد (۳۴/۵) والصحیحة للألبانی (۴۰۳)

عرش کا سایہ پانے والے

حافظ نبیل سوہدروی

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سات بندے ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سائے تلے جگہ دیں گے، جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔

۱۔ انصاف کرنے والا حکمران، ۲۔ وہ جوان اپنی جوانی اللہ کی عبادت میں گزارے، ۳۔ وہ بندہ جس کا دل مسجد سے لگا رہے، ۴۔ وہ دو بندے جو آپس میں اللہ کی رضا کے لیے محبت کرتے ہیں اور اسی کی رضا کے لیے جدا ہوتے ہیں، ۵۔ وہ بندہ جس کو کوئی خوبصورت اور حسب و نسب والی عورت گناہ کی دعوت دے لیکن وہ کہے دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، ۶۔ وہ بندہ جو چھپا کر صدقہ کرتا ہے حتیٰ کہ دائیں ہاتھ سے خرچ کرتا ہے اور بائیں کو کوئی خبر بھی نہیں ہوتی، ۷۔ وہ بندہ جو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کر کے آنسو بہاتا ہے۔

بخاری کتاب الزکوٰۃ

قربانی کرنے کے آداب

تحریر..... ابو عبد الرحمن شاکر

قربانی ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے جس پر اللہ عزوجل نے محمد مصطفیٰ ﷺ کی مہر لگا کر قیامت تک جاری رکھنے کا حکم دے دیا ہے۔

① ہر صاحب استطاعت انسان پر سال میں ایک مرتبہ قربانی کرنا فرض ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ عَلَى أَهْلِ كُلِّ بَيْتٍ فِي كُلِّ عَامٍ أَضْحِيَّةٌ))
”اے لوگو! ہر سال ہر گھر والوں پر قربانی ہے“۔ صحیح سنن الترمذی للالبانی (۹۳/۲)

② استطاعت کے باوجود قربانی نہ کرنے والے لوگوں کو رسول اللہ ﷺ نے ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ كَانَ لَهُ سَعَةٌ فَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلًّا))۔
”جو استطاعت (وسعت) کے ہونے کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے“۔ صحیح سنن ابن ماجہ للالبانی، الأضاحی: (۱۹۹/۲)

③ جس شخص نے قربانی کرنے کا ارادہ کیا ہو وہ ذوالحجہ کے چاند کے بعد اپنے بالوں اور ناخنوں کو نہ کاٹے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھو اور تم میں سے کوئی شخص قربانی کا ارادہ رکھے تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔“ صحیح مسلم (۱۹۷۷)

البتہ جس کی قربانی نہیں اس پر ایسی کوئی پابندی نہیں لیکن اگر وہ قربانی کے دن بال یا ناخن کاٹے تو اسے قربانی کا ثواب مل جائے گا، جیسا کہ ایک آدمی کے پاس قربانی نہیں تھی رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: ”تم اپنے بال اور ناخن تراش لینا اور اپنی مونچھیں کاٹنا اور شرمگاہ کے بال مونڈ دینا اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ تیری قربانی ہو جائے گی۔“ ابو داؤد (۲۷۸۹) وابن حبان (۱۰۴۳) حسن لشواہدہ

نیز ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں میں کثرت کے ساتھ تکبیرات، حمد و ثناء اور تسبیحات کرنی چاہئے کیونکہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

((مَا مِنْ أَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحِ فِيْهِنَّ أَحَبُّ إِلَيَّ اللَّهُ مِنْ هَذِهِ الْأَيَّامِ الْعَشْرِ...!))

”دوسرے دنوں کی نیکی ان دس دنوں کی نیکی سے زیادہ اللہ کو محبوب نہیں۔“

جامع ترمذی، أبواب الصوم (۷۵۷)

④ صاحب استطاعت مسافر کے لئے بھی ضروری ہے کہ قربانی کرے۔

”ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے تو عید الاضحیٰ آ گئی۔ تو ہم سات آدمی گائے کی قربانی میں اور دس آدمی اونٹ کی قربانی میں شریک ہوئے۔“

صحیح سنن الترمذی للالبانی، الاضاحی (۸۹/۲)

⑤ قربانی میں میت کو بھی شریک کیا جاسکتا ہے۔

”عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے سینگوں والا ایک مینڈھا لانے کا حکم دیا جس کے ہاتھ پاؤں پیٹ اور آنکھیں سیاہ ہوں چنانچہ وہ آپ کے پاس لایا گیا تاکہ آپ اس کی قربانی کریں پھر آپ ﷺ نے ان سے فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا ”چھری لاؤ“ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ”اس کو پتھر پر تیز کرو“ انہوں نے حکم کی تعمیل کی پھر آپ ﷺ نے چھری کو تھاما اور مینڈھے کو ذبح کرنے کے لئے لٹا دیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ! اے اللہ! محمد آل محمد اور امت محمد ﷺ کی طرف سے قبول فرما“ پھر آپ نے جانور کو ذبح فرمایا۔ صحیح مسلم، الاضاحی (۱۹۸۷)

⑥ نیز میت کی طرف سے مستقل قربانی بھی کی جاسکتی ہے۔ لیکن اس سے کھانا نہیں جائے گا بلکہ اسے سارے کا سارا صدقہ کیا جائے گا۔

”حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دو مینڈھوں کی قربانی کی ایک مینڈھا نبی کریم ﷺ کی طرف سے اور ایک مینڈھا اپنی طرف سے اور فرمایا مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ میں ان کی طرف سے قربانی کروں“ لہذا میں ہمیشہ (ان کی طرف سے) قربانی کرتا رہوں گا۔“

المستدرک علی الصحیحین، الأضاحی: (۲۲۹/۴)

اس حدیث کو امام ذہبیؒ نے صحیح کہا ہے۔ التلخیص: (۲۳۰/۴)

اور شیخ احمد شاکرؒ نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔ هامش المسند للشیخ احمد شاکر: (۱۵۲/۲)

البتہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

”جس طرح میت کی طرف سے حج اور صدقہ کرنا جائز ہے اسی طرح اس کی طرف سے قربانی کرنا درست ہے میت کی طرف سے قربانی گھر میں کی جائے گی اس کی قبر پر نہ تو قربانی کا جانور ذبح کرنا جائز ہے اور نہ ہی کوئی اور جانور۔“
مجموع الفتاویٰ: (۳۰۲/۲۶)

⑥ رسول اللہ ﷺ نے امت محمدیہ کو قربانی کے لئے دو دانتا جانور ذبح کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَذْبَحُوا إِلَّا مُسْنَةً إِلَّا أَنْ يُعْسَرَ عَلَيْكُمْ فَتَذْبَحُوا جَذَعَةً مِنَ الضَّأْنِ))

”دو دانت والے کے علاوہ کسی اور جانور کی قربانی نہ کرو ہاں اگر دشواری پیش آ جائے تو دو دانت سے کم عمر کا جذعہ بھی ذبح کر لو۔“
مسلم، الأضاحی (۱۹۶۳)

”جذعہ“ دشواری کی صورت میں جذعہ کرنے کی اجازت ہے اس کی عمر کے بارے میں آراء مختلف ہیں البتہ امام نوویؒ فرماتے ہیں۔

”جذعہ کی عمر کے بارے میں سب سے زیادہ درست بات یہ ہے کہ اس کی عمر ایک سال پوری ہو چکی ہو۔“ (نیز یہ بھیڑ اور دنبے کے ساتھ خاص ہے) المجموع: (۲۹۳/۸)

⑧ البتہ بعض احباب کے نزدیک عام حالات میں بھی جذعہ یعنی دو دانت سے کم عمر والے کی قربانی جائز ہے اگرچہ دشواری نہ بھی ہو دلیل یہ ہے۔

”یقیناً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جہاں دو دانت والا جانور کافی ہے وہاں دو دانت سے کم عمر والا بھیڑ کا بچہ بھی کافی ہے۔“
صحیح سنن ابی داؤد للالبانی، الضحایا (۵۳۸/۲)

۹ نماز سے پہلے قربانی نہیں کی جاسکتی خواہ شہر ہو یا دیہات اگر پہلے کر لی ہے تو دوبارہ کرے۔

((مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيَعِدْ))

”جس نے نماز (عید) سے پہلے قربانی ذبح کی وہ دوبارہ (ذبح) کرے۔“

بخاری، الأضاحی (۵۵۴۹)

۱۰ قربانی کا جانور زیادہ مناسب ہے کہ قربانی دینے والا اپنے ہاتھوں سے ذبح کرے۔

”انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے دو چتکبرے مینڈھوں کی قربانی دی میں نے آپ کو اپنا قدم ان کے پہلوؤں پر رکھے ”بسم اللہ واللہ اکبر“ پڑھتے دیکھا اور آپ نے ان دونوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح فرمایا۔“

بخاری، الأضاحی (۵۵۵۸)

۱۱ قربانی کا جانور قربانی کرنے والے کے علاوہ دوسرا بھی ذبح کر سکتا ہے۔

”رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائے کی قربانی کی۔“

بخاری، الأضاحی (۵۵۵۹)

۱۲ قربانی کا گوشت خود کھانا غریبوں کو دینا احباب کو کھلانا اور ذخیرہ کرنا سب درست و جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَكُلُوا مِنْهَا وَ اطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ﴾ [الحج: ۲۲/۲۸]

”پس قربانی کا گوشت خود بھی کھاؤ اور بھوکے فقیر کو بھی کھلاؤ۔“

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((كُلُوا وَ اطْعِمُوا وَ ادَّخِرُوا))

”کھاؤ، کھلاؤ اور ذخیرہ کرو۔“

بخاری، الأضاحی (۵۵۶۹)

۱۳ جن جانوروں کی قربانی کرنا درست نہیں۔

(۱) ”یک چشم“ جس کا کانپن ظاہر ہو۔

(۲) بیمار جس کی بیماری واضح ہو۔

(۳) لنگڑا جس کا لنگڑا پن نمایاں ہو۔

(۴) بوڑھا جس کی ہڈیوں میں گودانہ ہو۔

(۵) جس کے کان آگے سے کٹ کر لٹک گئے ہوں۔

(۶) جس کے کان پیچھے سے کٹ کر لٹک گئے ہوں۔

(۷) جس کے کان لمبائی میں کٹے ہوں۔

(۸) جس کے کان عرض میں کٹے ہوں۔

(۹) اور جن جانوروں میں ان عیوب سے بڑا عیب ہو اس کی بھی قربانی درست نہیں۔

تحفہ الأحوذی (۶۸/۵) ومعالیم السنن (۲/۲۳۰) وهامش المسند للشیخ احمد (۲/۳۱۵)

۱۴) قربانی کی کھالوں کا مصرف

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو حکم دیا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قربانی کے اونٹوں پر (بطور نگران) کھڑا ہوں اور حکم دیا کہ ان کا گوشت اور کھالیں اور جُل مساکین میں صدقہ کر دوں اور اس (گوشت، کھالوں اور جُل)

میں سے کچھ بھی اس کی اجرت کے طور پر نہ دوں۔ صحیح البخاری؛ الحج، باب یتصدق (۱۷۱۷)

اس حدیث صحیح سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کھالیں صدقہ ہیں اور صدقہ کے مصارف اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمائے ہیں :

”صدقات یقیناً صرف اور صرف فقراء، مساکین (صدقہ کے) عاملین اور تالیف قلب اور گردنوں کو آزاد کروانے اور غارمین (جن کو چٹی پڑ جائے) اور فی سبیل اللہ (جہاد) اور مسافروں کیلئے ہیں۔ یہ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے فریضہ ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا، حکمت والا ہے۔“ (التوبہ: ۶۰)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صدقات کے آٹھ مصارف بیان کیے ہیں لہذا قربانی کی کھالیں بھی ان آٹھ مصارف پر ہی خرچ کی جائیں۔

پہلا وہ گھر خدا کا

مولانا حسنین شاہ کرزیری

(نائب مدیر مجلہ المکرمہ)

صدر زمین پر بیت اللہ کی تاریخ اس قدر پرانی ہے جس قدر کہ انسان کا رب العزت سے تعلق۔ خود خالق کائنات نے اپنے کلام میں فرمایا:

”یقیناً اس روئے زمین پر لوگوں کے لیے بنایا جانے والا پہلا گھر مکہ ہی میں ہے۔ آل عمران: (۹۶)
رسول اقدس ﷺ سے انسانوں کے اولین معبد کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ مسجد حرام ہے۔ صحیح مسلم (۱۱۶۱)

اور حضرت انسان کی اس اولین عبادت گاہ کو قرآن عظیم میں ایک اور مقام پر ”البیت العتیق“ یعنی انتہائی قدیم گھر بھی کہا گیا ہے۔ اسلامی لٹریچر کے علاوہ ہزاروں برس پرانی مقدس ادبیات یعنی اہل ہند کی ویدوں اور پورانوں، یہودی تورات، کتبیم، انجیل، اور تالمود، اہل فارس کی ژند، آویستا اور زرتشتی گاتھاؤں اور عیسائیوں کی اناجیل اور دیگر مسیحی نوشتوں میں بھی قدیم مکہ کا ذکر کنایتاً یا صراحتاً ملتا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت آدم اور حضرت ادریس علیہ السلام سے منسوب مذہبی صحیفوں اور قدیم یونانی و رومی جغرافیہ دانوں اور تاریخ نگاروں کی تحریروں میں بھی قدیم مکہ کا وجود ملتا ہے۔

عبارتناشتی وحسنک واحد وکل الیٰ ذاک الجمال یشیر

”ہماری عبارتیں مختلف اور تیر احسن ایک ہے، سب کا اشارہ اسی ایک حسن کی جانب ہے۔“

اسلام اور اس سے تعلق رکھنے والی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے جو کاملیت و فضیلت عطا کی ہے دشمنان اسلام اور خصوصاً یہود و نصاریٰ اس سے ہمیشہ ہی حسد کرتے رہے۔ اور اسلام سے عداوت کی آگ ان کے سینوں میں جلتی ہی رہی، اس کا اظہار انہوں نے کتمان حق، سازشی ذہنیت، اسلام کے متعلق انکے ہاں پائی جانے والی بشارات کا انکار، بنی اسماعیل اور اپنے مسکن و افراد سے حسد و حقدا اور اسلام کے متعلق معاشرے میں غلط فہمیوں کی ترویج، اور اسلام کے حق میں بائبل کے بیانات میں تحریف جیسے منفی

رویوں سے کیا۔ تحریف تو ان کا اس قدر من پسند مشغلہ بنا کہ ان سے تاریخی کتب بھی محفوظ نہ رہ سکیں:

﴿یریدون لیطفؤ و انور الله بافواھم واللہ متم نورہ﴾

ستیزہ کار ہے ازل سے چراغ مصطفوی سے شرارِ بولہبی پھوکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔ عہدِ قدیم میں ہمارے ان مخالفین کے اعتراضات کا نشانہ اعتقادات تھا جس کا دندان شکن جواب عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے لے کر امام ابن حزم، امام ابن تیمیہ، امام رازی، ابوبکر باقلانی اور حضرت امرتسری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم جیسے ممتاز علمائے اسلام نے عہدِ بعہد دیا۔ لیکن اس عصرِ جدید میں جب ہمارے مخالفین عقائد اسلام کی مضبوطی کا امتحان کر چکے ہیں۔ انہوں نے یہاں سے ہٹ کر تاریخ و تمدن کے میدان میں مورچے قائم کیے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارے دشمن جن جدید معلومات کو ہماری مخالفت میں صرف کر رہے ہیں ان سے اپنی موافقت کے پہلو پیدا کیے جائیں۔ اہل علم کے ہاں اسلام کے ان جدید دشمنوں کو مستشرق کہا جاتا ہے۔ جو کہ عموماً یہودی یا عیسائی ہوتے ہیں اور مشرقی علوم خصوصاً اسلام کا ناقدانہ مطالعہ رکھتے ہیں۔

سال رواں کے فروری کی آٹھ تاریخ کو مستشرقین کی مادر علمی ”لیڈن یونیورسٹی“ نیدر لینڈ کے چار سو اڑتیسویں سالانہ اجلاس میں پرنسٹن یونیورسٹی سے آنے والے پروفیسر مائیکل کاک اور ڈاکٹر پیٹر سیسا کروں کو ان کی علمی خدمات پر اعزازی ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی گئی۔ آئیے ان نام نہاد دانشوروں کی علمی خدمات کا جائزہ لیتے ہیں۔

مائیکل کاک نے ہاجرازم کے نام سے ایک تحریک بھی جس میں اس نے مکہ کی جغرافیائی حیثیت سے انکار کیا اور یہ عجیب دعویٰ پیش کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کا مکہ حجاز میں نہیں بلکہ الحجر یعنی شام کی سرحد کے قریب ہے۔ جبکہ ڈاکٹر پیٹر سیسا کروں نے اپنی کتاب ”سکی تجارت اور ظہور اسلام“ میں مکہ کے متعلق چند عجیب و غریب نظریات پیش کیے جن میں سے ایک بنیادی نظریہ کے متعلق چند باتیں بیان کرتا ہوں۔

کروں نے بڑے شہ و مد سے یہ دعویٰ کیا کہ عہدِ مسیح سے قبل مکہ کا وجود ہی نہ تھا اور یہی دعویٰ مصر کے ایک مستشرق ڈاکٹر ارافت عماری کا بھی ہے۔ آئیے دیکھتے ہیں کہ یہ بات درست ہے یا محض

مکہ کی مخالفت پر مبنی ہے۔؟

مکہ مورخین کی نظر میں:

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً ساٹھ سال قبل ایک یونانی مورخ ڈائیوڈورس سیسلنس نے اپنی قدیم اور شہرہ آفاق کتاب ”بابلو تھیکا ہسٹوریکا“ میں قدیم مکہ کا ذکر کیا ہے۔ وہ جنوبی عرب یعنی حجاز کے متعلق رقمطراز ہے: ”اور وہاں ایک عبادت گاہ بھی موجود تھی جو کہ تمام اہل عرب کے ہاں انتہائی مقدس اور نہایت احترام کی حامل تھی۔“

(بابلو تھیکا ہسٹوریکا: ۳۷۳: ۲۱۷) مترجم سی ایچ اولڈفادر ہارورڈ یونیورسٹی پریس کیمبرج)

اسی کی مزید وضاحت عظیم یورپی مورخ ایڈورڈ گین کے اس تشریحی ریمارک سے دیکھیے: ”مکہ کا تذکرہ حضرت مسیح کے عہد سے بھی قبل ایک یونانی مورخ ڈائیوڈورس سیسلنس نے اپنی تحریر میں کیا، کعبہ کی اصل قدامت عہد مسیح سے بھی قدیم تر ہے۔ بحر ہند احمر کے قریب ایک بندرگاہ کے متعلق بتاتے ہوئے قدیم یونانی مورخ ڈائیوڈورس سیسلنس نے یہ بیان کیا ہے کہ قوم شمو داو قوم سبا کے درمیانی علاقے یعنی حجاز میں ایک مشہور عبادت گاہ ہے جو کہ تمام اہل عرب کے ہاں انتہائی احترام کی حامل اور نہایت مقدس سرزمین ہے۔ اس عبادت گاہ پر ہر سال ایک ریشمی غلاف چڑھایا جاتا ہے اور پہلی مرتبہ یہ غلاف قوم حمیر نے چڑھایا تھا۔ جو کہ محمد ﷺ سے سات سو سال قبل تھی۔“

(عروج و زوال سلطنت روما از ایڈورڈ گین: ۲۲۳/۵)

☆ تھامس کارلائل کا کہنا ہے: ”قدیم رومی مورخ سیلسیٹ نے بھی کعبہ کا ذکر کیا ہے اور مزید کہا ہے کہ یہ عبادت گاہ نہایت قدیم اور بقیہ تمام عبادت گاہوں کی نسبت انتہائی زیادہ احترام و عزت کی حامل ہے۔“

(ہیروائیڈ ہیرور شپ از تھامس کارلائل)

☆ قدیم جغرافیہ نگار بطلمیوس نے جنوبی حجاز کے تہامہ میں واقع اس مکہ کی وادی کا نام ”مکربا“ لکھا۔

(جغرافیہ بطلمیوس: ج ۳ باب ۷)

☆ اس نام کی وضاحت کرتے ہوئے پرفیسر فلپ کے حتی نے لکھا کہ شہر مکہ کو بطلمیوس نے مکربا لکھا ہے۔ یہ سبائی لفظ ”مکربا“ سے مشتق ہے جس کے معنی معبد کے ہیں۔ اور اس سے پتہ

چلتا ہے کہ شہر کی بنا کسی مذہبی تعلق سے پڑی۔“ (تاریخ عرب از فلپ کے حتی: باب ۷، ص ۱۶۹)
 ☆ اسی سلسلہ میں پروفیسر اے جے وینسک کا بھی ماننا ہے کہ مکہ ہی بطلمیوس کی ذکر کردہ مکربانامی جگہ ہے۔ جس کا تذکرہ ہمیں تیسری صدی قبل مسیح کے ایک قدیم نقشے سے ملتا ہے۔ اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ ”مکربا“ مکہ ہی ہے۔

(کعباز پروفیسر اے جے وینسک انسائیکلو پیڈیا آف اسلام: ۳/۳۱۸، ایڈیشن ۱۹۷۸ء)
 ☆ اسی کی تائید میں پروفیسر ای جی وان گرینوم کہتے ہیں: ”بطلمیوس نے بھی مکہ کا ذکر کیا اور اس نے اس مقام کو جو نام دیا اس سے آسانی ہم اسے پہچان سکتے ہیں۔

(کلاسیکل اسلام (اے ہسٹری) فرام ۶۰۰ء سے ۱۲۵۸ء از ای جی وان گرینوم: ص ۱۹)
 ☆ مشہور جرمن پروفیسر ڈوزی لکھتے ہیں: ”مکہ ہی وہ جگہ ہے جسے یونانی جغرافیہ نگاروں نے ”مکربا“ کہا ہے۔“
 (ہسٹری آف عربیاز پروفیسر ڈوزی)

☆ ایک اور جرمن مورخ ایڈورڈ گلاس کے مطابق: لفظ مکہ کا تعلق جنوبی عربی اور حبشی زبان کے لفظ مکرب سے ہے جس کا معنی ہے عظیم عبادت گاہ۔

(انسائیکلو پیڈیا آف اسلام: ۳/۳۱۸، ایڈیشن ۱۹۷۸ء)

مکہ آثار قدیمہ کی روشنی میں

☆ مکہ کے قدیم نام قیدار کی مناسبت سے سب سے پہلے آثار قدیمہ کے دریافت شدہ اسیریائی کتبات میں یہ نام ۹۰۰ قبل مسیح کے تاریخی تناظر میں ہمیں ایسے ملتا ہے: ”یوتع بن ہزایل نے قیدار کی ایک فوج دو قیداری شیوخ ابی تیج اور ابامو کے ماتحت روانہ کی..... قیدار کی فوج بابل سے پیچھے ہٹادی گئی..... رئیس انباط، رئیس عربی، اور شیخ قیدار متفقاً اسیر یا کے مقابلے میں اٹھتے رہے..... اب ابی تیج شیخ قیدار عربی کا بادشاہ ہوا۔

(تاریخ بابل واسیریا از راجرس امیریائی: ص ۸۷۵)

☆ کچھ تاریخی شواہد ہمیں آثار قدیمہ سے ملنے والے قدیم عربی پیا لے پر بھی کندہ ہوئے ملے ہیں جس پر ”قیدار کے رئیس قانسو“ کا نام بھی درج ہے اور یہ سردار تقریباً ۴۳۰ قبل مسیح سے ۴۱۰ قبل مسیح تک

برسر اقتدار رہا۔ (جرنل آف نیو ایسٹرن سڈیز شمارہ نمبر ۱۵، ۱۹۵۶ء ص ۹۳۱)

☆ العلماء کے قریب قدیم شہر دیدان کے نواحی علاقے نیران کے کھنڈرات سے دیوار پر کندہ کیے گئے ایک کتبے میں شہر ”قیدار کے رئیس جشم اول بن شہر اول“ کا ذکر بھی ملا ہے اور یہ کتبہ تقریباً ۲۵۰ قبل مسیح پرانا ہے۔ (جنوبی عرب کے قدیم ریکارڈز از ریڈ دستاویز، ۵۰ ص ۱۱۵ ٹورنٹو کینیڈا ۱۹۷۱ء)

☆ اردن کے جنوب سے دریافت ہونے والے چند شمودی کتبات میں بھی مکہ کا تذکرہ اس تناظر میں ملتا ہے کہ ان کتبات میں ایک شخص کا نام ”عبد مکہ“ یعنی مکہ کا غلام ملتا ہے۔ علاوہ ازیں ان کتبات میں مکہ کی نسبت سے ایک نام ”مکی“ بھی ملتا ہے۔

(چند شمودی کتبات از پروفیسر جی لینکلیسٹر ہارڈنگ، ص ۱۹، کتبہ نمبر ۱۱۱۲ ۱۷ مطبوعہ ۱۹۵۲ء نیدرلینڈ)

☆ قدیم مصر کے کھنڈرات سے دریافت ہونے والی ایک پیپرس پر ہیروغلیفی زبان میں لکھی گئی آج سے تین ہزار سال پرانی ایک تحریر میں بھی مکہ کا ذکر ”بکہ“ نام سے یوں ہوا:

”اے عظیم خدا! بکہ کی مقدس سرزمین تیری ہی ہے۔“

(قدیم مصری روایات اور کہانیاں از ڈومنگ میکنزی مطبوعہ ۱۹۰۷ء ص ۲۰۳)

پھر اسی تحریر میں اس مقدس سرزمین کی جغرافیائی وضاحت یوں کی گئی: ”مصر کی جنوبی سرحد جو بدویوں کی سرزمین ہے۔“

(قدیم مصری روایات اور کہانیاں از ڈومنگ میکنزی مطبوعہ ۱۹۰۷ء ص ۲۱۱)

مکہ بائبل کی معلومات کی روشنی میں

☆ بائبل اور قدیم تاریخ دونوں کا ماننا ہے کہ اسماعیل علیہ السلام فاران یعنی مکہ میں سکونت پذیر ہوئے۔

(پیدائش ۲۱:۲۱)

☆ آپ ﷺ کے بعد آپ کے بیٹے جناب قیدار اور ان کی اولاد مکہ میں ہی پھلی پھولی، شہر کے ان باسیوں کی نسبت سے مکہ کا ذکر سب سے پہلے ۱۱۰۰ قبل مسیح میں حضرت داود علیہ السلام کی زبور میں ملتا ہے۔ اس شہر کے باسی اس وقت خیموں میں رہتے تھے۔ حضرت داود علیہ السلام بادشاہی سے پہلے بہت دنوں تک قیدار کے خیموں میں رہے۔ (زبور: ۱۲۰: ۵)

☆ ایک ہزار قبل مسیح میں حضرت سلیمان علیہ السلام بھی اپنی غزل میں قیدار کے خیموں کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ

کالے رنگ کے ہوتے ہیں۔ ”اور میں قیدار کے خیموں کی مانند سیاہ ہوں۔“

(غزل الغزالات: ۱: ۵)

☆ آٹھ سو قبل مسیح میں حضرت یسعیاہ علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ آخر الزمان عربی نبی کی ہجرت کے بعد قیدار کے عظمت و سطوت زائل ہو جائے گا۔ اور ان کے تیر اندازوں اور جنگجوؤں کی تعداد کم ہو جائے گی۔

(یسعیاہ: ۲۱: ۱۶، ۱۷)

قیدار کے گاؤں میں ان کی بہت سی آبادیاں ہیں۔

(یسعیاہ: ۴۳: ۱۱)

نیز فرمایا: بھیڑ بکریاں قیدار کی دولت ہیں اسی کی وہ تجارت کرتے ہیں۔

(یسعیاہ: ۶۰: ۷)

☆ چھٹی صدی قبل مسیح میں جب اسیریا کا بادشاہ بخت نصر عراق سے شام، مصر اور عرب تک کی خاک اڑا دیتا ہے اہل عرب کا بیان ہے کہ اس وقت عربوں کا رئیس معد بن عدنان تھا۔ تاریخ کے اس تناظر میں جناب یسعیاہ، یرمیاہ اور حزقیال جیسے انبیائے بنی اسرائیل نے اہل مکہ کو اس بادشاہ کے حملے سے متنبہ کیا۔

(یسعیاہ: ۴۳: ۱۱، ۶۰: ۷ اور یرمیاہ: ۴۹: ۲۸)

☆ بخت نصر کے حملے کے بعد جناب حزقیال عرب کے امیر شہروں اور ان کے سامان تجارت کا ذکر کرتے ہوئے اہل مکہ کا تذکرہ یوں کرتے ہیں: ”عرب اور قیدار کے تمام شہزادوں نے بھیڑ، بکری کا تجھ سے بیوپار کیا۔“

(حزقیال: ۲۷: ۲۱)

☆ مکہ کے قدیم نام ”بکہ“ کے حوالے سے بائبل میں اولیں ذکر بھی ۱۱۰۰ قبل مسیح میں حضرت داود علیہ السلام کی زبور میں آتا ہے: ”مبارک ہے وہ آدمی جو وادی بکہ سے گزر کر اسے چشموں کی جگہ بنا لیتے ہیں۔“

(زبور: ۸۴: ۶)

علماء کے نزدیک زبور کا یہ مقام بڑا معرکتہ الآرا ہے کیونکہ یہاں اللہ کے گھر، اس کے مذبح، بابا یلوں اور زیارت یعنی حج و عمرہ، خشک وادی اور وہاں چشمہ جیسے قرائن کے ساتھ بکہ کا ذکر ہوا ہے۔ اس پر مستزاد کہ یہاں یہ بھی کہا گیا ہے: ”یقیناً تیری بارگاہوں میں ایک دن کسی اور جگہ کے ہزار سے بہتر ہے۔“

(زبور: ۸۴: ۱۰)

جیسا رسول اقدس ﷺ نے فرمایا: ”میری مسجد میں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار نماز کے برابر ہے

اور مسجد حرام میں ایک نماز ایک لاکھ نماز کے برابر ہے۔“ (سنن ابن ماجہ: ۱۴۰۶) صحیح

ان تمام شواہد سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ یہ مقام مکہ ہی ہے۔ مسیحی اور یہودی مترجمین نے یہاں لفظی و معنوی تحریف کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر اکثر مترجمین نے اسے وادی بکہ ہی لکھا ہے۔ میں نے انگلش بائبل کے مختلف ۳۴ نسخوں سے جب اس مقام کو دیکھا تو ان میں سے ۳۱ نسخوں میں اس مقام کو ’’THE VALLEY OF BACA‘‘ ہی لکھا گیا۔

☆ میرے ناقص مطالعہ کے مطابق بائبل میں اس بلدا میں کے لیے لفظ ’’مکہ‘‘ دو مختلف تناظر میں استعمال ہوا ہے۔ پہلی مرتبہ قدیم ترین یمنی قبیلہ بنویقطان کے حوالے سے اس کا تذکرہ یوں ہوا: ’’یہ سب بنویقطان تھے۔ اور ان کی آبادی مکہ سے مشرق کے ایک پہاڑ سفار کی طرف تھی۔“

(پیدائش، ۱۰: ۳۰)

یہاں اس بات کا مضبوط ترین قرینہ موجود ہے کہ یہ مقام بنویقطان یعنی قدیم اہل یمن کی ہمسائیگی میں واقع ہے۔ شہر مکہ حجاز میں ہے جسے بائبل میں مدیان اور فاران اور عمالقہ کی سرزمین کے نام سے جانا گیا ہے۔ مکہ کے جنوب مشرق کی جانب یمن واقع ہے۔ جو قدیم بنویقطان کا مسکن ہے جنہیں اہل عرب بنو قحطان کہتے تھے۔

بائبل میں دوسری جگہ جہاں اس مقدس شہر کے لیے لفظ مکہ استعمال ہوا ہے وہ سیدنا داؤد علیہ السلام کی زبور کا وہ مقام ہے جہاں آپ فرماتے ہیں: ’’جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا، یہ خدا کی طرف سے ہوا۔ ہماری نظر میں عجیب ہے۔“ (زبور: ۱۱۸: ۲۲، ۲۳)

یہاں رسول اکرم ﷺ کا وہ فرمان نقل کرنا مناسب رہے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

’’میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسے ہے کہ کوئی شخص نہایت خوبصورت اور پیارا گھر بنائے اور اس کے کونے سے ایک پتھر کی جگہ خالی چھوڑ دے لوگ آئیں، دیکھیں اور تعجب کا اظہار کریں کہ یہاں پتھر کیوں نہیں لگایا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’میں ہی وہ پتھر ہوں اور میں ہی آخری نبی ہوں۔“ (بخاری: ۳۵۳۵)

آمد م برسر مطلب! زبور کے گزشتہ بیان کے ہی تسلسل میں چند آیات آگے اللہ کے گھر، قربانی اور مندرج

پھر اگلی آیت میں فرمایا: ”تو میرا خدا ہے اور میں تیرے عظیم مکہ کی تعریف کروں گا۔“ (زبور، ۱۱۸: ۲۸)

یہاں بھی بائبل کے انگلش وارڈو مترجمین نے اس آیت کو اپنی معنوی تحریف کا نشانہ بنایا، عبرانی نسخہ کی طرف مراجعت سے پتہ چلا کہ وہاں بھی کاتین تحریف لفظی سے باز نہیں آئے۔ دراصل اس آیت کے آخری حصے میں دو عبرانی الگ الگ الفاظ ”آروم“ اور ”مکہ“ موجود ہیں جو دونوں الگ حیثیت اور الگ مفہوم کے حامل ہیں۔ دونوں کو ملا کر ایک لفظ بنانے کی جسارت کی گئی تاکہ لفظ مکہ کی صوتی و معنوی پہچان ختم کر دی جائے۔

دراصل کرپٹو گرافی یعنی خفیہ کتابت کے علم کی اصطلاح میں کسی لفظ کو مبہم کرنے کے لیے یوں دو یا زیادہ الفاظ کو باہم ملا دینے کو ”Scriptuo Continua“، یعنی کتابت متصلہ کہتے ہیں۔ بعض دفعہ تو اسے سمجھنا انتہائی مشکل ہو جاتا ہے مثلاً ایک جملہ ہے ”God is nowhere“ ایک سلیم الفطرت شخص اسے ”God is now here.“ [ابھی خدا ہے] پڑھے گا جبکہ ایک ملحد اسے ”God is no where.“ [خدا کہیں نہیں ہے] پڑھے گا۔ عبرانی زبان کا لفظ ”آروم“ بالکل وہی معنی رکھتا ہے جو عربی میں ”حرام“ کا ہے۔ یعنی محترم و معزز اور مکہ کے متعلق بائبل کی مشہور عبرانی ڈکشنری Hebrew Strong's Concordance میں لکھا ہے: ”The Palce in Wilderness“

یعنی صحراء میں واقع ایک جگہ کا نام ہے۔

مکہ میں بیت اللہ کے قریب جو چشمہ سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کو ملا اس با برکت چشمے زم زم کی نسبت سے بھی بائبل میں ایک قوم کا ذکر اس طرح ملتا ہے: ”زمزمیم لوگ عناقیم کی طرح بڑے بڑے، لمبے لمبے اور تعداد میں بہت زیادہ تھے۔“ (کتاب استثنا، ۲۱: ۲۱)، (پیدائش، ۱۴: ۵۵)

عربی میں جیسے کسی لفظ کے ساتھ بعض حالتوں میں یا نون لگا کر جمع بنائی جاتی ہے مثلاً مسلمین ایسے ہی عبرانی میں یا اوریم لگا کر کسی لفظ کی جمع بنائی جاتی ہے۔ اس طرح عبرانی کا زمزمیم عربی میں زمزمین ہوگا۔ بائبل کے انسائیکلو پیڈیا کے نزدیک زمزمین سے مراد ایک جنگجو قوم ہے جو بنوہام سے تھی۔ یعنی

علاقہ مصر جو سیدہ ہاجرہ اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی ہمسائیگی میں زمزم کے گرد و نواح رہتے تھے۔ بنو جرہم انہی کا ایک قبیلہ تھا۔

ان کے علاوہ بائبل میں مکہ کا دیگر صفاتی ناموں مثلاً: نیاروشلم۔ (یسعیا، ۶۵: ۷، ۲۰ تا ۲۱، مکاشفہ، ۱۲: ۳) کعبہ (مکاشفہ، ۱۶: ۲۱)، بے آب و گیاه وادی (پیدائش، ۲۱: ۲۱) صیہون جدید (یسعیا، ۶۲: ۲) تمام اقوام کی عبادت گاہ (یسعیا، ۷)، فاران (پیدائش، ۲۱: ۲۱) اور عظمت والا گھر (یسعیا، ۶۰: ۷) وغیرہا سے تذکرہ ہے۔

ڈاکٹر کروں کا یہ نظریہ مستشرقین کی نظر میں

ڈاکٹر کروں اور رافت عماری جیسے نام نہاد اہل تحقیق کے متعلق تنقیدی تبصرہ دیگر مستشرقین و اہل تحقیق کی زبانی ہی مناسب رہے گا۔

پرنسٹن یونیورسٹی کے نامور پروفیسر سٹیفن ہنگرے بیان کرتے ہیں: ”بد قسمتی سے ڈاکٹر کروں اور ڈاکٹر لوک کی جنوبی عرب یعنی حجاز کی تاریخ کے متعلق یہ تعبیرات نہ صرف مسلم کالرز میں بلکہ مغرب کے مستشرقین میں بھی قبولیت عامہ پانے میں بری طرح ناکام رہی ہیں۔ دونوں مصنفین کے مبہم سے دلائل اکثر قارئین کے حلق سے نہیں اترتے ان کی کتاب میں مذکور یونانی اور شامی مصادر کے غلط استعمال پر بھی زبردست تنقید کی گئی ہے۔“

(اسلامک ہسٹری از سٹیفن ہنگرے، ص ۸۲، ۸۵ پرنسٹن یونیورسٹی ایڈیشن ۱۹۹۱ء)

کیمبرج یونیورسٹی کے معروف پروفیسر آر بی سرجنٹ نے ڈاکٹر پیٹر یساکروں کی اس تحریر پر تبصرہ جرنل آف امریکن اورینٹل سوسائٹی میں لکھتے ہوئے کہا: ”یہ تحریر متزلزل، غیر عقلی اور غیر منطقی دلائل سے بھری پڑی ہے۔ مزید برآں ڈاکٹر صاحبہ عربی متون کی غلط سمجھ، عرب کے معاشرتی نظام کے متعلق قلت فہم اور دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے قدیم و جدید دستاویزات کے انتہائی مفہوم میں بھی شک و تذبذب نے اس کتاب کو مزید پیچیدہ بنا دیا ہے۔“

(کی تجارت اور آمد اسلام غلط فہمیاں اور ناقص دلائل از پروفیسر آر بی سرجنٹ جرنل آف امریکن اورینٹل سوسائٹی جلد ۱۱، شمارہ ۳ ستمبر ۱۹۹۷ء ص ۲۷۲)

ان تمام باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر سے اب تک مکہ معمور، آباد اور مشہور رہا ہے جبکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے قبل بھی مکہ کی پہچان اور تقدس دونوں موجود تھے۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ”ہود اور صالح علیہ السلام چتکبری چادریں اوڑھے سرخ اونٹنیوں پر سوار تلبیہ کہتے ہوئے بیت عتیق کا حج کرتے ہوئے وادی عسفان سے گزرے۔“ (مسند احمد: ۲۰۶۷)

قدیم مورخین کے ریمارکس، آثار قدیمہ کے انکشاف، عہد کہن کے جغرافیائی بیانات اور بائبل کی واضح معلومات نے یہ ثابت کر دیا کہ ڈاکٹر کروں اور رافت عمار کی مکہ کی قدامت سے انکار کا نظریہ بیت عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے اور مکہ انسان کی اولین عبادت گاہ اور مقدس و محترم حیثیت سے مشہور رہا ہے؛

اقبال نے اس کے متعلق کیا خوب کہا:

دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

دینی مدارس کے طلباء کے لئے

ایک عظیم خوشخبری

اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ!

اس سال مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث محلہ سلطان والا جھنگ صدر میں فضیلۃ الشیخ عبدالرحمن ضیاء حفظہ اللہ بخاری شریف کی تدریس کے ساتھ ساتھ آٹھویں صدی کی مشہور شخصیت شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے مشہور ترین شاگرد رشید امام علامہ حافظ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابوبکر المعروف بہ ابن القیم کی مشہور و معروف کتاب القصیدۃ النونیہ بھی پڑھا رہے ہیں۔ جو طلباء صحیح بخاری اور القصیدۃ النونیہ پڑھنے کے متغنی ہوں وہ جلد از جلد رابطہ کریں۔ در اسہ شروع ہو چکا ہے۔ موقع کو غنیمت سمجھیں۔

رابطہ نمبر: 03214695985.....03326276401

منجانب: انتظامیہ مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث متصل جامع مسجد قدس اہل حدیث محلہ سلطان والا جھنگ صدر

قسط دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کامیاب تاجر کے لیے چند نصیحتیں

تحریر..... محمد عظیم حاصل پوری

(Hasalpuri@gmail.com)

سودا واپس لے لینا بھی ثواب ہے

اسلام کے ہاں خرید و فروخت کرنے والوں میں سودے کو واپس کرنا اس وقت جائز ہے جب تک وہ مجلس برخواست نہیں کرتے اگر مجلس برخواست ہو جاتی ہے تو خریدار سودا واپس کرے اور فروخت کنندہ اسے واپس نہ لے تو اس کے لیے جائز ہے الا یہ کہ خریدتے وقت وہ واپسی کی شرط لگا لے مثلاً یہ شرط رکھ لے کہ پسند نہ آیا تو واپس کر دوں گا لیکن اس کے باوجود اگر فروخت کنندہ واپس کرنے والے کا سودا خیر خواہی کی نظر سے واپس کر لیتا ہے تو اسے اجر و ثواب سے نوازا جائے گا جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ أَقَالَ مُسْلِمًا بَيْعَتَهُ أَقَالَ اللَّهُ عَشْرَتَهُ»

جو کسی مسلمان کا سودا واپس کرے اللہ تعالیٰ اس کی غرض معاف فرمائے گا۔“

أبو داود، الإجارة، باب فی فضل الإقالة (۳۴۶۰) ابن ماجہ (۲۱۹۹)، صحیح

سودے میں عیب ہو تو واضح کر دیا کریں

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ بَاعَ مِنْ أَخِيهِ بَيْعًا فِيهِ

عَيْبٌ إِلَّا بَيْنَهُ».

”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اور کسی مسلمان کے لیے حلال و جائز نہیں کہ وہ اپنے

بھائی کو کوئی عیب دار چیز فروخت کرے سوائے اس کے کہ وہ عیب بیان کرے۔“

سنن ابن ماجہ، البيوع (۲۲۴۶) صحيح ترغيب (۱۷۷۵)

حضرت حکیم بن حزام رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْبَيْعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا ، فَإِنْ صَدَقَا وَبَيْنَا بُرُكٌ لَهُمَا فَيَبْعُهُمَا وَإِنْ كَتَمَا وَكَذَبَا مُحِقَّتْ بَرَكَتُهُ بَيْنَهُمَا))

”دونوں سودا کرنے والوں کو اس وقت تک اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں۔ پس اگر

دونوں سچ بولیں اور چیز کی حقیقت صحیح صحیح بیان کر دیں (یعنی کوئی عیب وغیرہ ہو تو بتلا دیں) تو

ان کے سودے میں برکت ڈال دی جاتی ہے اور اگر وہ چھپائیں اور جھوٹ بولیں تو ان کے

سودے سے برکت مٹا دی جاتی ہے۔“

بخاری، البيوع، باب اذابین البیعان ولم یکتما (۲۰۸۲)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اپنی موطا میں ایک روایت لائے ہیں کہ سالم بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے

ہیں کہ ان کے والد عبد اللہ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک غلام آٹھ سو درہم میں بیچا جو کہ بالکل بے عیب تھا کچھ

دنوں کے بعد غلام میں کوئی عیب آ گیا خریدار نے سیدنا عثمان کی عدالت میں مقدمہ کر دیا کہ انہوں نے

مجھے عیب دار غلام فروخت کر دیا تھا اور بتایا نہیں تھا سیدنا عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ کو طلب کیا اور کہا

کہ یہ کیا ماجرہ ہے ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے اسے بے عیب غلام دیا تھا جب خریدار نے انکار کیا تو

سیدنا عثمان غنی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ کو قسم دینے کا کہا مگر ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ نے حلف (قسم) دینے کی بجائے

اسی قیمت پر غلام واپس رکھ لیا چند دن کے بعد غلام بالکل درست ہو گیا تو ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے پندرہ سو

درہم میں فروخت کر دیا۔

الموطا لامام مالک رحمۃ اللہ علیہ، البيوع (۲۲۷۱)

کسی کے ساتھ دھوکہ مت کریں

تاجر، دوکاندار اور خرید و فروخت کرنے والے ہر شخص کو دھوکہ دہی سے دور رہنا چاہیے ورنہ نبی کریم ﷺ ہرات کا اظہار کر دیں گے اگر محبوب ہی روٹھ گیا تو روز قیامت کون پرسان حال ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ غلے کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے تو آپ نے اس ڈھیر میں اپنا ہاتھ داخل کیا۔ آپ کی انگلیوں کو تری محسوس ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَا هَذَا يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ»

”اے غلے کے ڈھیر کے مالک یہ کیا ہے؟“

اس نے کہا اے اللہ کے رسول! اس پر بارش پڑ گئی تھی (جس کی وجہ سے اندر تری ہے) آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ كَيِّ يَرَاهُ النَّاسُ»

تو نے اسے غلے کے اوپر کیوں نہیں رکھا تاکہ لوگ اسے دیکھ لیتے (اور سودا واضح ہو

جاتا) پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ عَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي»

”جس نے کسی کو دھوکہ دیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں“

صحیح مسلم، الإیمان، باب قول النبی من غشنا فلیس منا (۱۰۲) والترمذی (۱۳۱۵)

ایک دوسری حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ عَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا وَالْمَكْرُ وَالْخِدَاعُ فِي النَّارِ»

”جس نے ہمیں دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں اور چال بازی و دھوکہ دہی جہنم کی آگ

میں لے جانے والی ہے۔“

صحیح ابن حبان (۱۱۰۷) والصحیحہ (۱۰۵۸)

حرام اشیاء کی تجارت مت کریں

ہر وہ چیز جس کا کھانا حرام ہے اس کی تجارت اور خرید و فروخت سب حرام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ یہودیوں پر لعنت کرے جب اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی کو حرام کیا تو انھوں نے اسے بیچ کر اس کی قیمت کھالی پھر آپ نے فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ إِذَا حَرَّمَ عَلَى قَوْمٍ أَكَلَ شَيْءٍ حَرَّمَ عَلَيْهِمْ ثَمَنَهُ»

”جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر کوئی چیز کھانا حرام کر دیتے ہیں تو اس کی قیمت بھی حرام کر دیتے ہیں۔“

ابوداؤد، البیوع، باب فی ثمن الخمر والمیتة (۳۴۸۸) صحیح

مثلاً شراب پینا اور اس کا کاروبار سب حرام ہے اسی طرح جو چیزیں نشہ آور ہیں وہ اور ان کی

خرید و فروخت اور ان کی قیمت کھانا سب حرام ہیں۔ آلات موسیقی کی تجارت مت کریں

اسلامی قانون ہے کہ ہر وہ تجارت حرام ہے جو کسی حرام چیز یا جو کسی گناہ کے کام میں معاون ہو۔

﴿وَلَا تَعَاوُنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾

”اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو۔“

دور حاضر میں موسیقی جسے اسلام نے حرام کیا ہے اسے گھر گھر پہنچانے اور بے حیائی کو عام کرنے

کے لیے بہت سے سرمایہ دار اپنے کاروبار اسی کے بل بوتے چلا رہے ہیں حالانکہ موسیقی آلات

موسیقی اور گلوکاروں پر خرچ کر کے روپیہ پیسہ کمانا حرام ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ

أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ [النور: ۱۹]

”اور جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی (یعنی تہمت

بدکاری کی خبر) پھیلے ان کو دنیا اور آخرت میں دکھ دینے والا عذاب ہوگا اور اللہ جانتا

ہے اور تم نہیں جانتے۔“

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا تَبِيعُوا الْقَيْنَاتِ وَلَا تَشْتَرُوهُنَّ وَلَا تَعْلَمُوهُنَّ وَلَا خَيْرَ فِی
تَجَارَةٍ فِیْهِنَّ وَثَمَنُهُنَّ حَرَامٌ فِی مِثْلِ ذَلِكَ أَنْزَلَتْ عَلَیْهِ هَذِهِ الْآیَةُ
﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَشْتَرِی لَهْوَ الْحَدِیْثِ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیلِ
اللَّهِ﴾ إِلَى آخِرِ الْآیَةِ».

”گلوکاراؤں (ادا کاراؤں) کی خرید و فروخت مت کرو اور نہ ہی انھیں گلواری کی تعلیم
دو، ان کی تجارت میں کوئی خیر نہیں اور ان کی گلوکاری کی اجرت حرام ہے قرآن مجید کی
یہ آیت اسی بارے میں نازل ہوئی ہے ”بعض لوگ ایسے ہیں جو لغو باتوں (موسیقی
اور آلات موسیقی) کو خریدتے ہیں کہ بے علمی کے ساتھ لوگوں کو اللہ کے راہ سے
بہکائیں اور اسے مذاق بنائیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔“

صحیح الجامع الصغیر (۶۱۸۹) الترمذی (۱۲۸۲)

مذکورہ بالا دلائل سے معلوم ہوا کہ گانا گانے والیوں کو روپے پیسے دینا ان کے پروگرامز پر خرچ
کرنا یا اس کے پروگرامز کو اپنا پیشہ تجارت بنانا، سب حرام ہے اور اسی طرح ایسی کیٹیں، سی ڈیز جو
گانے اور فلمز اور بے حیائی کو عام کرنے والی ہوں ان کی خرید و فروخت حرام ہے۔

سودی کاروبار نہ کریں

سود حرام ہے کوئی بھی کام جس کے متعلق سود کا شائبہ ہو اس کو نہ کیا جائے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة: ۲۷۵]

”اللہ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے۔“

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُمْ
مُؤْمِنِينَ ، فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِن

تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٩﴾

”مومنو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اُس کو چھوڑ دو، اگر ایسا نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ (کہ تم) اللہ اور رسول سے جنگ کرنے کیلئے (تیار ہوتے ہو) اور اگر توبہ کر لو گے (اور سود چھوڑ دو گے) تو تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے جمیں نہ اوروں کا نقصان اور نہ تمہارا نقصان۔“ [البقرة: ۲۷۸، ۲۷۹]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

«لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَكَلَ الرَّبَا وَمُؤْكَلَهُ وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدِيهِ، وَقَالَ: هُمْ سَوَاءٌ».

رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے، دینے والے، اس کے تحریر کرنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت کی ہے نیز فرمایا (گناہ کے اعتبار سے) یہ سب برابر ہیں۔“
صحیح البخاری، البيوع (۲۰۸۶) مسلم (۵۹۸) أبو داود (۳۳۳)
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس قوم میں زنا اور سود عام ہو جاتا ہے وہ اپنے نفسوں پر اللہ کا عذاب حلال کر لیتے ہیں۔“
صحیح الترغیب والترہیب، البيوع (۱۸۶۰)

جمائی اور چھینک کے آداب (عبداللہ طاہر، مصعب طاہر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جمائی (اباسی) شیطان کی طرف سے ہے لہذا جب کسی کو جمائی آئے تو اسے حتی المقدور رد کے اور دفع کرنے کی کوشش کرے صحیح بخاری 3289

4 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب چھینک آئے تو کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اور قریب بیٹھنے والا بھائی یا ساتھی یَرْحَمْکَ اللّٰہ کہے اور چھینکنے والا جواباً کہے یَهْدِیْکُمْ اللّٰہ وَیُصْلِحْ بِاَلْکُمْ اللّٰہ تم کو ہدایت دے اور تمہارے

حالات درست کرے صحیح بخاری 6224

تقلید کیا اور کس کی..!

تحریر... محمد یحییٰ طاہر

دین اسلام کی بنیاد وحی الہی پر ہے اور کتاب و سنت وحی ہی کا دوسرا نام ہے دینی احکام و معاملات میں وہی حکم کا رفرما ہوگا جسکی بنیاد و دلیل کتاب و سنت میں موجود ہوگی بغیر شرعی دلیل اور بغیر علم کے کسی چیز کو اپنانا جہالت و ضلالت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾

”اور (اے بندے) جس چیز کا تجھے علم نہیں اُس کے پیچھے نہ پڑ“ [اسراء: ۳۶]

یہود و نصاریٰ کی ذلت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی بات کو چھوڑ کر اپنے علماء اور پیروں کو رب بنا لیا تھا۔ اہل اسلام میں بھی کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو قرآن و سنت کو چھوڑ کر اپنے وڈھیروں، پیروں، علماء اور درویشوں کی پیروی میں بلا دلیل لگ چکے ہیں جو ان کی ذلت و رسوائی کا سبب ہے۔ اسی چیز کو تقلید کہتے ہیں۔ علی بن محمد علی الجرائنی حنفی (متوفی ۸۱۶ھ) فرماتے ہیں: ”(رسول اللہ ﷺ کے علاوہ) کسی غیر کے قول کو بغیر حجت و دلیل کے قبول کرنے کا نام تقلید ہے۔“ (التعريفات ص ۲۹)

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس بات کی نصیحت فرمائی کہ دین کے معاملہ میں نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسی کی تقلید مت کرو۔ [سنن الکبریٰ (۲/۲)]

تمام ائمہ نے بھی اپنی اور غیر کی تقلید سے روک کر خود بری الذمہ ہو گئے لیکن معاشرے کے کم علم، ہوئی پرست پیرو ملا نے اسی کی تعلیم جاری رکھی۔ حالانکہ تمام ائمہ خصوصاً ائمہ اربعہ کا قول ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرمایا: ”اگر حدیث صحیح قرار پا جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔“

[رد المختار (۱/۶۸)]

نیز آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: ”اگر میں کوئی بات (قول) کہوں اور وہ اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کی کسی خبر (حدیث) کے خلاف ہو تو میری اس بات کو چھوڑ دو۔“ حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: ”میں

ایک بشر ہوں، غلطی بھی کرتا ہوں اور صحیح بات بھی کرتا ہوں، اس لئے تم لوگ میری رائے پر غور کر لیا کرو۔ اس میں جو چیز کتاب و سنت کے مطابق ہو، اسے لیا کرو اور جو کتاب و سنت کے مطابق نہ ہو اسے چھوڑ دیا کرو۔“

[جامع بیان العلوم و فضلہ (۲/۳۲)]

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”میری ہر بات جو نبی ﷺ کی صحیح حدیث کے خلاف ہو (چھوڑ دو) پس نبی ﷺ کی حدیث سب سے زیادہ بہتر ہے اور میری تقلید نہ کرو۔“

[آداب الشافعی و مناقبہ لابن ابی حاتم ص ۵۱ و سندہ حسن]

آپ یہ بھی فرماتے ہیں: ”جس چیز کا پتہ سنت سے چلے تو کوئی دوسرا شخص وہ حجت نہیں جس کا قول سنت کے خلاف جاسکتا ہو۔“

الرسالۃ (۵۷۶)

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ائمہ اربعہ میں سب سے زیادہ احادیث جمع کرنے اور ان پر سختی سے عمل کرنے والے تھے۔ آپ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ میری تقلید کرو نہ مالک رحمہ اللہ کی، نہ شافعی رحمہ اللہ کی اور نہ اوزاعی رحمہ اللہ کی اور ثوری رحمہ اللہ کی بلکہ جہاں سے انہوں نے لیا تم بھی وہاں سے لو اور یہ کہ جس نے نبی ﷺ کی حدیث کو رد کیا، وہ ہلاکت کے کنارے پر ہیں۔

[مناقب الامام احمد لابن الجوزی رحمہ اللہ]

میرا پسندیدہ شعر

اکڑے ہوئے سر سے تکبر کا اظہار ہوتا ہے

ادب سے جھکا ہو سر ہی باوقار ہوتا ہے

کسی پھلدار پیڑ کا نظارہ بھی کر لینا

جھکا ہوتا ہے وہی شجر جو پھلدار ہوتا ہے

حافظ فہد اللہ محمدی (متعلم جامعہ ہذا)

مدینہ منورہ میں امام مسجد نبوی سے ملاقات

ابوالنس بھٹو مدرس جامعہ ہذا

مدینہ منورہ میں امام مسجد نبوی سے ملاقات مارچ، 2013ء میں ہوئی، یہ میری زندگی میں اس لحاظ سے اہم تھا کہ جب میں عمرہ کی سعادت کے لیے حرمین شریفین کی زیارت کے لیے حجاز مقدس پہنچا تو میرے قافلہ کے ساتھی اور میں عمرہ ادا کر کے مدینہ منورہ چلے گئے۔ مسجد نبوی میں نماز جمعہ ادا کی گئی، قافلہ کے چند ساتھی (حاجی محمد فیاض صاحب، بھائی کامران بٹ صاحب، حافی محمد عارف یگ مین صاحب، عزیز محمد عبدالغنی صاحب، اور محترم بھائی ندیم صاحب) البدر چلے گئے۔ راقم اور امیر جماعت سنہسرہ "حاجی محمد اشفاق" صاحب مدینہ منورہ میں ہی تبلیغی اور دعوتی سرگرمیوں کے لیے رک گئے۔ مسجد نبوی میں معلم محترم بھائی "ابوتراب" - حفظہ اللہ ورعہ - نے امام مسجد نبوی سے ملاقات کے لیے وقت لے لیا، جو نہی نماز مغرب سے فراغت ہوئی تو پیغام آیا کہ مسجد نبوی میں امام صاحب کے دفتر میں پہنچ جائیں۔ میں اور حاجی اشفاق صاحب فوراً امام صاحب کے دفتر پہنچ گئے۔ بھائی ابوتراب صاحب، دارالسلام والے بھائی "منیب صاحب اور شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ فیصل آباد" عبدالعزیز علوی "صاحب بھی اس پروتار مجلس میں موجود تھے۔

ہمارے لیے یہ قابل فخر اور بہت خوشی کی بات تھی کہ آج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں امام مسجد نبوی سے ملاقات ہے۔ امام صاحب کا نام نامی الشیخ "صلاح بن محمد البدر" - حفظہ اللہ - ہے۔ آپ کا تعلق سعودی عرب کے منطقہ شرقیہ کے شہر ہنوف سے ہے۔ آپ اسی شہر میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم حاصل کی، قرآن کریم حفظ کیا اور انتہائی چھوٹی عمر میں ہی مختلف مساجد میں امامت اور خطابت کے فرائض انجام دینے شروع کیے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی آواز میں سوز رکھا ہے، تلاوت کرتے ہیں تو سماں بند جاتا ہے۔ موصوف کی قراءت کی آواز اعلیٰ حلقوں تک پہنچی تو انہیں ریاض میں

امامت کی پیش کش کی گئی۔ آپ امامت اور خطابت کے ساتھ ساتھ اپنی تعلیم کو نہیں بھولے۔ جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ کی ہفوف شہر میں بھی برانچ ہے، آپ اپنی تعلیم وہاں سے مکمل کرتے رہے۔ قدرت نے مدد کی اور کچھ عرصے بعد انہیں حرم مکی میں نماز تراویح پڑھانے کا موقع ملا۔ آپ کئی سالوں سے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے خطیب اور امام ہیں۔ آپ مدینہ منورہ کی کورٹ میں جج بھی ہیں۔

راقم الحروف کی پہلی ملاقات ان کے دفتر میں ہوئی جو خاصی لمبی ہوتی چلی گئی، اتنے بڑے منصب پر فائز ہونے کے باوجود آپ بااخلاق شخصیت کے مالک ہیں۔ آپ کے چہرے پر ہر وقت بشاشت چھائی رہتی ہے۔ یہ ملاقات بلاشبہ بڑی یادگار اور تفصیلی تھی۔ شیخ صلاح بن محمد البدر کا بیٹا بھی آپ کے ساتھ موجود تھا۔ ہم سب جب امام صاحب سے مصافحہ کی سعادت حاصل کر کے ان کے دفتر میں بیٹھے تو شرطے بھی موجود تھے، مولانا عبدالعزیز علوی صاحب کی تعلیمی سرگرمیوں سے آگاہ کیا گیا، مختلف مسائل پر خوشگوار ماحول میں گفتگو ہوتی رہی، اس ملاقات میں کئی مرتبہ امام صاحب نے قبوہ اور چائے بھی پیش کی۔

مولانا علوی صاحب سے شیخ نے فرمایا:

((والله سررت بزيارة علماء السلف))

اللہ کی قسم! میں سلفی علماء سے مل کر بہت خوش ہوتا ہوں۔

پھر فرمانے لگے:

((اهلا بكم بمدينة الرسول صلى الله عليه وسلم))

شیخ البدر نے برصغیر میں علماء اہلحدیث کی کاوشوں کو سراہا، شیخ صاحب کی گفتگو بہت عالمانہ و فاضلانہ تھی، فرمانے لگے کہ دنیا کے اکناف و اطراف سے لاکھوں افراد ہر سال مدینۃ الرسول آتے ہیں، لیکن ہمیں سلفی علماء سے مل کر بہت خوشی ہوتی ہے۔

مولانا عبدالعزیز صاحب نے مسکراتے ہوئے سوال کیا کہ آپ جانتے ہیں کہ آٹھ رکعات تراویح سنت ہیں، پھر آپ بیس رکعات تراویح کیوں پڑھاتے ہیں؟ شیخ فرمانے لگے کہ میں دس

رکعت پڑھا کر چلا جاتا ہوں، کبھی بھیڑ کی وجہ سے رک بھی جاتا ہوں۔

نماز جنازہ پر بھی بات چیت ہوئی اور طرفین سے دلائل پیش کئے گئے اور نتیجہ اسی بات پر پہنچا کہ نماز جنازہ سری جہری دونوں طرح ثابت ہے۔ شیخ البدیر فرمانے لگے کہ ہم زیادہ رش کی وجہ سے جنازہ آہستہ آواز میں پڑھتے ہیں تاکہ لوگوں کہ جلدی فارغ کر دیا جائے۔ مدرک رکوع پر بھی گفتگو ہوئی، نتیجہ یہی نکلا کہ مدرک رکوع مدرک رکعت نہیں ہے۔

تقریباً پونے دو گھنٹے تک یہ مجلس جاری رہی، عشاء کی آذان ہو چکی تھی اور جماعت کا وقت بھی آن پہنچا تو ہم نے سلام لی، شیخ کے دفتر سے باہر آئے اور نماز عشاء کی ادائیگی کے لیے صفوں میں پہنچ گئے۔ وہ کتنے خوبصورت اور وجد آفریں لمحات تھے جب مسجد نبوی میں عشاء کی اقامت کہی گئی، شیخ صلاح بن محمد البدیر نے اپنی خوبصورت آواز میں قرآن کی تلاوت شروع کی۔ میں سوچنے لگا کہ یہ عظیم شخصیت چند لمحے قبل ہمارے ساتھ اپنے دفتر میں موجود تھے، اب مصلی رسول پر کھڑے ہیں۔ اللہ ہر مسلم کو سعادت دارین نصیب فرمائے، آمین۔

برائے اطلاع

قارئین مجلہ المکرم توجہ فرمائیں:

ملتان..... ملیسی..... وہاڑی..... خیر پور..... بہاولپور..... صادق آباد..... رحیم یار
خان..... احمد پور شرقیہ..... قائم پور..... حاصل پور..... چھوٹا والا..... چشتیاں..... کھچی
والا..... ہارون آباد..... بہاولنگر..... فورٹ عباس..... بورے والا..... عارف والا

ان شہروں سے مجلہ المکرم کے حصول کے لیے رابطہ یہاں کریں۔

الشیخ محمد عظیم حاصل پوری حفظہ اللہ

(محمدیہ اسلامک ریسرچ سنٹر حاصل پور)

(Muhammadia.irc@gmail.com)

0301-6131916/0313-2501221

محمدیہ SMS سروس

تحریر..... حافظ زبیر الرحمن

(انچارج محمدیہ اسلامک ریسرچ سنٹر حاصل پور)

(Muhammadia.irc@gmail.com)

اچھائی کی آواز کو پوری دنیا تک پہنچانا پیغمبروں کا مشن ہے۔

﴿بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ﴾ [المائدة: ۶۷]

”پہنچاؤ وہ جو آپ پر نازل کیا گیا۔“

نیز رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے:

«بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ بَآئَةٍ».

”مجھ سے پہنچاؤ اگرچہ ایک آیت ہی ہو۔“ صحیح البخاری (۳۴۶۱)

اس فرمان کی رو سے ابلاغ امت کے ہر ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔

بری بات کو دوسروں تک پہنچانا اللہ کو ناپسند ہے ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ [النور: ۱۹]

”بے شک مومنوں میں بے حیائی کا فروغ چاہنے والوں کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک

عذاب ہے۔“

دور حاضر میں اہم ذریعہ ابلاغ میں سے ایک موبائل میسج بھی ہے جس کے ذریعے دین حنیف کی

تعلیمات کو دوسروں تک پہنچایا جاسکتا ہے، قرآن و سنت کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے فضیلۃ الشیخ

محمد عظیم حاصل پوری صاحب کی راہنمائی میں ”محمدیہ میسج سروس“ کا آغاز کیا گیا ہے۔ اسلامی میسج کی

اس سروس میں آپ بھی شامل ہو سکتے ہیں، سروس میں شامل ہونے کے لیے ان نمبروں پر اپنا نام، شہر کا

نام اور موبائل نمبر sms کریں اور روزانہ اسلامی تعلیمات آپ تک پہنچتی رہیں گئیں۔

اردو میں روزانہ قرآنی sms کے لیے (بعد از نماز فجر) محمد عثمان فاروقی چشتیاں

0300-3735978

اردو میں روزانہ تعلیمات نبوی sms کے لیے (بعد از نماز عصر) زبیر الرحمن حاصل پور

0304-4411896

اردو میں روزانہ اقوال زریں sms کے لیے (بعد از نماز عشاء) ضیاء الرحمن مظفر آباد

0300-7851291

انگلش میں روزانہ تعلیمات اسلامی sms کے لیے (بعد از نماز ظہر) محمد عمران حاصل پوری گوجرانوالہ

0321-7592205

انگلش میں روزانہ تعلیمات اسلامی sms کے لیے (بعد از نماز مغرب) محمد شبیر چھوٹا والہ

0306-5147167

اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ (آمین)

قرض سے نجات پانے کی دعا

حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مکتب غلام آیا اور اس نے عرض کیا کہ میں اپنے آقا کو زمر مکتب ادا کر کے جلد آزاد ہونا چاہتا ہوں آپ میری مدد فرمائیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہیں وہ دعا سکھاتا ہوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی ہے اگر تم پر پہاڑ کے برابر بھی قرض ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے ادا فرمادے گا وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اَكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَ اَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَنْ سِوَاكَ صَحيح

ترمذی 2822

اے اللہ مجھے اپنا رزق حلال عنایت فرما کر حرام روزی سے بچالے اور اپنے فضل و کرم سے مجھے اپنے سوا ہر چیز سے بے نیاز کر دے۔ (رحمان علی، نصیر احمد چھوٹا والا)